امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ کا ترجمان

نقیب

ہفتہ وار

پھلواری شریف پٹنہ

مدیر
مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

معاون
مولانا رضوان احمد ندوی

اس شمارہ میں

■ اللہ کی باتیں، رسول اللہ کی باتیں
■ دینی مسائل، یادوں کے چراغ
■ وحدت واجتماعیت کا اسلامی تصور
■ اسلام کے قانون وراثت کو فروغ دیجئے
■ موجودہ حالات میں دینی مدارس......
■ آزاد ہندوستان میں مسلم خواتین کا حال
■ اردو زبان کے فروغ میں ہماری ذمہ داریاں
■ اخبار جہاں، ملی سرگرمیاں، ہفتہ رفتہ

جلد نمبر 62/72 | مورخہ ۲۴ رجمادی الاول ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۹ دسمبر ۲۰۲۲ء روز سوموار | شمارہ نمبر 48

بین السطور

قادیانی اور قادیانیت

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

اسلام کی صاف وشفاف تعلیمات، ختم نبوت سے متعلق قرآنی آیات واحکامات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات اورواضح عقائد ونظریات کے خلاف آستین کا سانپ بن کر انگریزوں کے اشاروں پر انیسویں صدی میں جو چند تحریکات اٹھیں، ان میں فتنۂ قادیانیت سب سے خطرناک اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی منظّم سازش تھی۔ مرزا غلام احمد قادیانی (م۱۹۰۸) جو اصلاً انگریزوں کا ایجنٹ تھا اور جس نے بقول خود: ''پچاس ہزار کے قریب رسائل اور اشتہارات چھپوا کر اس ملک نیز دوسرے بلاد اسلام میں اس مضمون کے شائع کیے کہ گورنمنٹ انگریزی ہم مسلمانوں کی محسن ہے۔ لہٰذا ہر ایک مسلمان کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ اس گورنمنٹ کی سچی اطاعت کرے اور دل سے اس دولت کا شکرگزار اور دعا گو رہے۔ (ستارہ قیصر۲) اس نے ۲۴ رفروری ۱۸۹۸ء کو لیفٹیننٹ گورنر پنجاب کے نام اپنی درخواست میں لکھا کہ ''اس خود کاشتہ پودے'' کی نسبت نہایت حزم واحتیاط اور تحقیق وتوجہ سے کام لے، اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ فرمائے کہ وہ بھی اس خاندان کی ثابت شدہ وفاداری اور اخلاق کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو عنایت اور مہربانی کی نظر سے دیکھیں''۔ (تبلیغ رسالت ۱۹/۷)

اسی حق وفاداری میں اس نے انگریزوں کے خلاف جہاد کو ناجائز قرار دیا اور ایک ایسی جماعت تیار کرنے میں کامیابی حاصل کرلی؛ جس کے عقائد ونظریات، اسلامی تعلیمات کے خلاف اور اصولی انحراف پر مبنی تھے۔ اس نے اپنی جماعت کو قرآن کریم اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے برگشتہ کیا اور اسلام کے خلاف اس بات کا اعلان کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم نہیں ہوئی۔ آپ کے بعد بھی نبوت کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اور (نعوذ باللہ) مرزا غلام احمد من جانب اللہ منصب نبوت پر فائز ہے اور وحی نبوت اس پر نازل ہوتی ہے۔ اس نے نجات کے لیے اپنے اوپر ایمان لانا ضروری قرار دیا اور کہا کہ جو شخص مجھ پر ایمان نہ لائے وہ کافر اور ابدی جہنم کا مستحق ہے۔ قرآن کریم کی اہانت اور تفاسیر کو اس نے اپنے ناپاک خیالات کے اظہار کے لیے توڑ مروڑ کر پیش کیا، اور ان معانی ومطالب کا انکار کیا جو احادیث متواترہ، صحابہ اور تابعین وغیرہ کی تفسیروں سے ثابت ہیں۔ اس نے قرآن کو اللہ کی آخری کتاب نہیں مانا؛ بلکہ بقول خود: بارش کی طرح ہو رہے مختلف زبانوں میں وحی کو اللہ کا آخری کلمہ قرار دیا اور اس پر ایمان لانے کو مدار نجات ٹھہرایا۔ احادیث مبارکہ؛ جو اس کی بکواس کی تائید نہ کریں، اسے ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کا حکم دیا۔ اپنے کو سارے انبیاء سے افضل گردانا اور دس لاکھ معجزات کا دعویٰ کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سخت توہین کی اور انھیں جھوٹا کہہ کر ان کے معجزات کی نفی کی، خود کو نبی کے ساتھ امام مہدی ومسیح موعود ہونے کا بھی اعلان کیا۔ اس نے ان آیتوں کا انکار کیا جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے پر دلالت کرتی ہیں۔ اس نے معراج کو کشف قرار دیا۔ قیامت کے حشر ونشر کو نہیں مانا اور کہا کہ ہر شخص مرنے کے بعد ہی جنت یا جہنم میں چلا جاتا ہے، قیامت کے دن کسی کو جنت ودوزخ سے نکالا نہیں جائے گا۔ ملائکہ کو ارواح کواکب سے تعبیر کیا اور صاف صاف کہا کہ جبرئیل زمین پر وحی لے کر نہیں آئے، بلکہ روح کواکب نیر کی تاثیر کا نام وحی ہے اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے عقیدہ کو شرک قرار دیا اور کہا کہ قیامت کے قریب وہ ہرگز تشریف نہیں لائیں گے اور جو عیسیٰ ابن مریم نازل ہونے والے ہیں وہ میں ہی عیسی ابن مریم ہوں۔ (ازالہ کلاں ۳۱۱)

یہ اور اس قسم کے دوسرے خیالات وعقائد (جو صراحتاً اسلامی عقائد سے متصادم تھے) نے علماء حقہ کو اس دجل وفریب اور اس کی سیسہ کاری کا پردہ چاک کرنے کے لیے کھڑا کردیا۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مولانا محمد علی مونگیریؒ، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا محمد حسین بٹالوی، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا لال حسین اخترؒ، مولانا محمد حیاتؒ، مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا محبوب الرحمٰن ازہریؒ، مولانا محمد اسماعیل کٹکیؒ، مولانا منت اللہ رحمانی اور قاری محمد عثمان منصور پوریؒ، کی کوششوں سے مختلف وقتوں میں کی جانے والی کوشش سے پوری امت جاگ اٹھی، اور اس کذاب کی افترا سے عامۃ المسلمین واقف ہوگئے۔ اس سلسلے میں مرزا کی جانب سے کی گئی تاویلات کو رد کردیا گیا۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ فرماتے ہیں: ''جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے (جس طرح مرزا نے اعلانیہ کیا، وہ قرآن وحدیث کی رو سے کاذب ہے، اب جو اس کے پیغام کی تبلیغ کرے اور مسلمانوں کو اس پر ایمان لانے کی ترغیب دے وہ بھی بالیقین کفر ومعصیت کی تبلیغ کرتا ہے''۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں: ''مرزا کے عقائد کفریہ نبوت کا دعویٰ، ختم نبوت کا انکار، ختم نبوت کے اجماعی معانی اور اس بارے میں آیاتِ قرآنیہ میں تحریف، عیسیٰ علیہ السلام کی سخت ترین توہین وغیرہ ان کی تمام تصانیف میں اس قدر صاف ہیں کہ ان میں کوئی تاویل کرنا اس سے کم نہیں؛ جو مشرکین کی تاویل بت پرستی کے متعلق آیات میں یا حدیث میں ہے کہ مشرکین بوقت طواف تلبیہ میں کہا کرتے تھے: **لاشریک لک الاشریک ھولک** اس لیے علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ ضروریات دین کے بارے میں اجماعی معانی کے سوا آیات وروایات کی کسی دوسری طرح تاویل کرنا عذر مسموع نہیں اور یہ تاویل ان پر حکم تکفیر کے لیے مانع نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ ہر دور کے علماء نے مرزا پر کفر کا فتویٰ لگایا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ''جو شخص یہ اعتقاد نہ رکھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخرالانبیاء ہیں، وہ مسلمان نہیں ہے۔ یا یہ کہا کہ میں رسول ہوں (یعنی پیغام رساں ہوں) جب بھی وہ کافر ہے''۔ علامہ ابن حجر مکی شافعی اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں: ''جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نئی وحی کا اعتقاد کرے وہ باجماع مسلمین کافر ہے''۔ **الأشباہ والنظائر** میں ہے: ''جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخرالانبیاء نہ سمجھے وہ مسلمان نہیں ہے، اس لیے کہ یہ مسئلہ ضروریات دین میں سے ہے''۔ (الاشباہ ص۲۹) ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں۔ ''ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا باجماع مسلمین کفر ہے''۔ (شرح فقہ اکبر۱۹۱) علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا ان چیزوں میں سے ہے، جن پر قرآن مجید نے تصریح فرمائی ہے اور احادیث نبویہ نے ان کو واضح کردیا، پس جو شخص اس کے خلاف کا مدعی ہو اس کو کافر کہا جائے گا'' (روح المعانی ۶۵/۷)

تحفہ شرح منہاج میں ہے: ''یا کسی رسول ونبی کی تکذیب کرے یا ان کی شان میں کسی طرح کی تنقیص کرے؛ خواہ اس طرح ہو کہ ان کے نام کی تصغیر، بقصد تحقیر کرے یا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بعد کسی دوسرے شخص کے لیے نبوت کو جائز رکھے''۔ (وہ کافر ہے) (اکفار۴۲) حضرت امام اعظمؒ سے ایک شخص نے کہا کہ میں نبی ہوں، مجھے اپنی نبوت کی نشانیاں اور دلائل پیش کرنے کا موقع دو، حضرت امام اعظم نے فرمایا: ''جو شخص کسی مدعی نبوت سے کوئی نشانی اور دلیل طلب کرے گا؛ وہ بھی کافر ہوجائے گا؛ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں''۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کبھی نہ کوئی نبی آئے گا نہ رسول اور اس میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہیں۔ حضرت مولانا نذیر حسین محدث دہلوی لکھتے ہیں: پس منکر نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فاسق ہے؛ بلکہ کافر ہے۔ کیونکہ صریح نص کا منکر ہے، اور تاویل اس کی باطل اور مردود خلاف سبیل مومنین ہے۔ (فتاوی نذیریہ:۱۲)

حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ لکھتے ہیں: ''غلام احمد قادیانی بہ سبب ادعاء نبوت وتوہین انبیاء کافر تھا اور اس کے تمام متبعین کافر ہیں جو مسلمان مرزا غلام احمد قادیانی کی اس کے دعاوی باطلہ میں تصدیق کرے وہ مرتد ہے، ان کے ساتھ مرتدین کا برتاؤ کرنا چاہیے۔ اور جو لوگ ان کے متبعین کی اولاد ہیں اور نیز غلام احمد قادیانی کی اولاد بعد ادعاء نبوت پیدا ہوئے اور ان کے عقیدے کی تصدیق کرتے ہیں تو یہ سب کے سب کافر اصلی ہیں''۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ ۱/۳۱)

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں: ''قادیانی فرقہ جمہور علماء اسلام کے فتویٰ کے بموجب دائرۂ اسلام سے باہر ہے، اس فرقہ کے ساتھ میل جول اور تعلقات رکھنا سخت مضر اور دین کے لیے تباہ کن ہے، اس حکم میں قادیانی اور لاہوری دونوں برابر ہیں''۔ (کفایت المفتی ۱/۳۱۵)

(بقیہ صفحہ:۹ رپر)

اچھی باتیں

دلوں میں فرق آجائے تو یاد رکھیں فلسفے، منتیں، دلیلیں سب بے کار ہوجاتی ہیں ☆ خاموش رہا کرو جتنا ہوسکے کیوں کہ سب سے زیادہ گناہ انسان سے زبان کرواتی ہے ☆ جب چھوٹے تھے تو بھول جاتے تھے تو سب کہتے تھے یاد رکھنا سیکھو اب بڑے ہوئے تو ہر بات یاد رہتی ہے، سب کہتے ہیں بھولنا سیکھو ☆ اچھے لوگوں کو جب درد پہونچتا ہے تو وہ خاموش ہوجاتے ہیں ☆ جو آپ کی خاموشی کو نہ سمجھ پائے وہ آپ کے لفظوں کو بھی نہیں سمجھے گا۔ (حاصل مطالعہ)

بلا تبصرہ

''یہ نتیجے تمام حزب مخالف کو متنبہ کرتے ہیں کہ اگر آپ آپس میں لڑیں گے تو ۲۰۲۴ء میں بھی انتخابی نتائج آپ کے لیے مایوس کن ہوں گے، حزب مخالف چاہے تو آئندہ سال نو (۹) ریاستوں میں ہونے والے انتخاب میں اس سیکھ کا فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور اپنی صفوں کو متحد رکھ کر کامیابی کی طرف قدم آگے بڑھا سکتے ہیں۔'' (ہندوستان ۱۱ر دسمبر ۲۰۲۲ء)

اللہ کی باتیں ---- رسول اللہ کی باتیں

مولانا رضوان احمد ندوی

خوش مزاج بنئے

’’یہ اللہ ہی کی رحمت ہے کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ ان کے لئے نرم خو ہیں، اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے بھاگ لئے ہوتے، لہذا آپ انہیں معاف کردیں، ان کے لئے مغفرت کی دعاء کریں اور اہم معاملات میں ان سے مشورہ لیا کریں، پھر جب آپ پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کریں، بے شک اللہ اس پر بھروسہ کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں‘‘ (سورہ آل عمران، آیت: ۱۵۹)

مطلب: ملت کے دعاۃ اور قوم کے مذہبی پیشواؤں ورہنماؤں کو نہایت ہی نرم گفتار اور خوش مزاج ہونا چاہئے، تاکہ مدعو کے دلوں میں عقیدت، الفت ومحبت کا جذبہ فروغ پائے اور ان کے دعوتی پیغام کو خوشدلی سے قبول کرے، اس لئے کہ وہ جس امت کے داعی ہیں، اس امت کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ہی نرم خو، نرم گفتار اور خوش اخلاق تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ذاتی معاملات میں اپنے صحابہ کی کمی وکوتاہی کو صرف نظر فرماتے، ناگواری کی حالت میں بھی آپ کی پیشانی پر شکن نہیں پڑتا اور نہ ہی دل میں کوئی میل کچیل ہوتا، یوں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی سے رنجیدہ خاطر ہوجانا دنیا ہی نہیں آخرت کا بھی نقصان ہے اور تمام نیکیوں کو ضائع کرنے کے لئے کافی ہے، اس لئے اللہ رب العزت نے آپ کے حسن اخلاق کی تعریف وتحسین کی اور کہا کہ اے نبی! آپ صحابہ کے لئے اخلاق کے اعلیٰ نمونہ پر فائز ہیں، یہیں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہر دعاۃ کو نرم مزاج ہونا چاہئے، ورنہ بجائے اس کے کہ لوگوں میں اس کی دعوت وتبلیغ اور دینی رہنمائی کے تئیں محبت پیدا ہو، نفرت پیدا ہوجائے گی، یادرکھئے کہ خندہ روئی سے بات کرنے سے مخاطت کا دل نرم پڑتا ہے اور وہ توجہ ودل جمعی سے باتوں کو سنتے ہیں، اگر ترش روئی سے بات کی جائے تو ایسی مجلسوں میں شرکت کرنے سے لوگ کتراتے ہیں، باوجودیکہ وہ قائد ورہنما صاحب فضل وکمال اور بڑی خوبیوں اور صلاحیتوں کے حامل ہیں، لیکن ان کی ترش روئی کے سبب لوگ ملنے جلنے سے گھبراتے ہیں، کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی گفتگو میں مخاطب پر طنز کستے ہیں، یا محفلوں میں مذاق اڑاتے ہیں، جن سے نفرتیں اور دوریاں پیدا ہوتی ہیں، ایسا شخص بھی بافیض ہونے کے باوجود بے فیض رہتا ہے، اس لئے اگر کوئی ایسی بات زبان سے نکل جائے تو فوراً اپنی اصلاح کی طرف توجہ دیں اور معافی کے طلب گار بن جائیں، کیوں کہ جو لوگ اپنی غلطی تسلیم نہیں کرتے انہیں بناوٹی باتوں کا سہارا لینا پڑتا ہے اور پھر وہ اس سے زیادہ پریشانی میں مبتلا ہوجاتے ہیں، پھر ان پر جھنجھلاہٹ کی کیفیت اور غصہ کی آگ بھڑکنے لگتی ہے، اس لئے حدیث پاک میں حالت غیض وغضب میں بات کرنے سے روکا گیا، کیوں کہ جب آدمی کو غصہ آتا ہے تو اس کی زبان بے لگام ہوجاتی ہے، غصہ عقل کو صحیح طور پر سوچنے اور فیصلہ کرنے میں رکاوٹ بنتا ہے، غصہ آنے کے بہت سے اسباب ہوسکتے ہیں، ان میں غصہ کہیں عزت نفس کو ٹھیس پہونچنے کے سبب آتا ہے، کہیں مفاد کے خلاف کام کرنے سے آتا ہے اور کہیں ظلم وزیادتی کو زیادہ سہنے سے آتا ہے، ہر مرحلہ میں شریعت نے ہماری رہنمائی کی جس میں بنیادی طور پر سوچ اور خیالات کو بدلنے اور حکمت وتدبیر سے معاملہ کو حل کرنے کی تعلیم دی ہے، گویا مذکورہ آیت میں دعاۃ کو اسوہ نبوی کے مطابق پر داعیانہ کردار ادا کرنے اور اپنے کردار وعمل میں روحانیت ونورانیت پیدا کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

ناپ تول کر بولئے

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کے لئے یہی جھوٹ کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے اسے بیان کرتا پھرے‘‘ (مسلم شریف)

وضاحت: اسلام کی ہر شئی میں خواہ وہ عقیدہ سے متعلق ہو یا عبادت سے یا اخلاق ومعاملات سے، مرکزی چیز اللہ رب العزت کی خوشنودی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری ہے، ہر وہ کام اور عمل اچھا ہے، جس کو اللہ اور اس کے رسول پسند فرماتے ہیں اور وہ برا ہے جس کو ناپسند فرمائے، اس بنا پر اسلام کی نظر سے اخلاق کی دو قسمیں ہیں، وہ اخلاق جن کو خدا پسند فرماتا ہے، یہ خصائل کہلاتے ہیں، جیسے تواضع وخاکساری، دیانت داری وامانت داری اور ایثار وقربانی وغیرہ کرنے والے کو اللہ محبوب رکھتے ہیں اور وہ کام جن کو وہ ناپسند کرتا ہے، رزائل ہیں، جن سے بچنے کا حکم اس نے اپنے بندوں کو دیا ہے، جن کے کرنے والے اس کے حضور میں گنہگار ٹھہرتے ہیں اور جن کے بدولت انسانی افراد اور جماعتوں کو روحانی اور مادی نقصانات پہونچتے ہیں اور ان کی معاشرت تباہ ہوجاتی ہے، جیسے غیبت وچغل خوری، بدگمانی وبے ایمانی اور دروغ گوئی وغیرہ سے دینی ودنیاوی ترقیوں کی راہیں مسدود اور سعادت اور اقبال کا دروازہ اس پر بند ہوجاتا ہے، انہیں بری عادتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہر سنی سنائی باتوں کو بغیر تحقیق کے بیان کیا جائے، اس لئے یہ ایک درجہ کا جھوٹ ہے اور جس طرح جان بوجھ کر جھوٹ بولنے کی عادت رکھنے والا آدمی قابل اعتبار نہیں ہوتا، اسی طرح یہ آدمی بھی لائق اعتبار نہیں رہتا، سوسائٹی میں اس کی باتوں کی قدر نہیں رہتی، اس لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر سنی سنائی باتوں کو نقل کرنے سے منع فرمایا ’’**كفى بالمرء كذبا ان يحدث بكل ماسمع**‘‘ آدمی کے لئے یہی جھوٹ کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے اسے بیان کرتا پھرے، ایسے لوگوں کو جو ہر سنی سنائی بات پر یقین کرلیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے **سمّٰعون للكذب** جھوٹ کے بڑے سننے والے کا خطاب دیا ہے، اکثر یہ دیکھا گیا کہ بہت سے لوگ خوش گپی کے موقع پر محض لطف صحبت کے لئے بھی جھوٹ بولتے ہیں، اس سے بھی اگرچہ کسی کو کوئی نقصان نہیں پہونچتا، بلکہ بعض موقعوں پر ایک دلچسپی کی چیز بن جاتی ہے، تاہم اسلام نے اس کی بھی اجازت نہیں دی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولتا ہے اس پر افسوس ہے، کیوں کہ اس سے آدمی کا وزن ہلکا ہوجاتا ہے اور اس کی بات بے اعتبار ہوتی ہے اور ہر شخص یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کا سچ جھوٹ برابر ہے، اس لئے ہر مومن بندہ کو چاہئے کہ وہ بغیر تحقیق کے کسی بات کو نقل کرنے سے پرہیز کرے اور خوش گپی کے موقعہ پر بھی زبان کو دروغ گوئی سے محفوظ رکھے۔

دینی مسائل

مفتی احتکام الحق قاسمی

نابالغ لڑکے کی اذان

س: ایک لڑکا جو نابالغ ہے، لیکن باشعور ہے، خوبصورت اذان دیتا ہے، اس کی اذان درست ہے یا نہیں؟ کچھ مولانا صاحب ہیں جو اعتراض کرتے ہیں کہ نابالغ کی اذان درست نہیں ہے، جبکہ وہ خود اذان نہیں دیتے اور بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ کرکے اذان دینے سے روکتے ہیں۔

ج: بالغ لڑکے یا مرد کی اذان افضل ہے، لیکن نابالغ لڑکا جبکہ باشعور وسمجھدار ہے اور اچھی اذان دیتا بھی ہے تو اس کی اذان بلاکراہت شرعاً جائز ودرست ہے، ایسے لڑکوں کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہئے اور اذان دینے کا موقع دیا جانا چاہئے، اذان دینے پر ڈانٹ ڈپٹ کرکے حوصلہ شکنی کسی طرح مناسب نہیں ہے:’’**(ويجوز) بلاكراهة (اذان صبي مراهق الخ) (قوله صبي مراهق) المراد به العاقل وان لم يراهق كماهو ظاهر البحر وغيره وقيل يكره لكنه خلاف ظاهر الرواية‘‘ (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۵۹، مطلب في اذان الجوف)**

بیٹھ کر اذان دینا

س: مسجد میں بیٹھ کر اذان دینا درست ہے یا نہیں؟ ایک معذور آدمی نے وقت زیادہ ہوجانے پر کرسی پر بیٹھے بیٹھے اذان دیدی، صحیح ہوئی یا نہیں؟

ج: کھڑے ہوکر اذان دینا مسنون ہے اور یہی متوارث ومنقول ہے، لہذا کھڑے ہوکر ہی اذان دینا چاہئے، بلاوجہ بیٹھ کر اذان دینا مکروہ ہے، البتہ اگر کھڑا ہوکر اذان دینے والا کوئی نہ ہو تو بدرجہ مجبوری بیٹھے بیٹھے اذان دینا بلاکراہت جائز ودرست ہے، لہذا شخص مذکور کی اذان درست ہوئی:’’**عن عطاء انه كره أن يوذن وهو قاعد الا من عذر (مصنف ابن ابي شيبة، ح:۲۲۱۸، في الرحل يوذن)**

فجر کی نماز میں ’’الصلوٰۃ خیر من النوم‘‘ چھوٹ جائے...

س: موذن فجر کی اذان میں ’’**الصلوٰة خير من النوم**‘‘ کہنا بھول گیا، اذان کے بعد لوگوں نے ہنگامہ شروع کیا کہ اذان نہیں ہوئی، دوبارہ دیجئے، شرعاً کیا حکم ہے؟

ج: فجر کی اذان میں ’’**حيّ على الفلاح**‘‘ کے بعد ’’**الصلوٰة خير من النوم**‘‘ کہنا مستحب ہے، اگر اذان ختم ہونے سے پہلے یا اذان ختم ہونے کے فوراً بعد یاد آجائے تو بہتر ہے کہ ’’**الصلوٰة خير من النوم**‘‘ کہہ کر بعد کے کلمات دوبارہ کہہ لے اور اگر دیر میں یاد آیا تو اب اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، اذان ہوگئی:’’**(ويقول) ندبا (بعد فلاح اذان الفجر: الصلوٰة خير من النوم مرتين‘‘ (الدر المختار: ۲/۵۴، باب الاذان)**

تاخیر سے نماز ادا کرنے پر اذان کب دی جائے

س: پروگرام کے موقع پر اہل مسجد نے طے کیا کہ عشاء کی اذان اول وقت میں دے دی جائے گی، البتہ نماز پروگرام ختم ہونے کے بعد تقریباً ۱۰/بجے ادا کی جائے گی، کیا اس طرح کرنا صحیح ہے؟

ج: اذان تو وقت ہونے کے بعد ہی دی جائے گی، البتہ اس کا تعلق نماز سے ہے، اگر نماز اول وقت میں پڑھی جائے گی تو اذان بھی اول وقت میں دی جائے گی اور اگر نماز تاخیر سے پڑھی جائے گی تو اذان بھی تاخیر سے دی جائے گی، اذان اول وقت میں دے کر آخر وقت میں نماز ادا کرنا بہتر نہیں ہے:’’**عن ابي ذر رضي الله عنه قال كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم في سفر فاراد الموذن أن يوذن فقال ابرد، ثم اراد أن يوذن فقال له: ابرد، ثم اراد أن يوذن فقال له: ابرد‘‘ (صحيح البخاري: ۱/۸۶) ’’وحكم الاذان كالصلوة تعجيلا وتاخيرا‘‘ (رد المحتار: ۲/۴۹، باب الاذان)**

اذان سن کر کتے کا رونا

س: عام طور سے عشاء اور فجر کی اذان جیسے ہی شروع ہوتی ہے کتے عجیب آواز نکالنے لگتے ہیں، جیسے وہ رو رہے ہوں، سمجھ میں نہیں آتا کہ خاص اذان کے وقت ہی وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟

ج: حدیث میں ہے کہ جب اذان ہوتی ہے تو شیطان گوز مارتا ہوا پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہے کہ اذان کی آواز نہ سنے، ممکن ہے شیطان کو بھاگتا ہوا دیکھ کر کتے گھبراہٹ میں رونے جیسی آواز نکالتے ہوں، اس سے ہمیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے:’’**عن ابي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم قال: اذا نودي للصلوٰة ادبر الشيطان له ضراط حتى لايسمع التاذين‘‘ (صحيح البخاري: ۱/۸۵، باب فضل التاذين)**

اذان کے الفاظ صحیح نہ سنائی دے

س: موذن نے اذان دی لیکن مائک کی خرابی کی وجہ سے آواز کٹ کٹ کر سنائی دی، ایسا بار بار ہوجاتا ہے، تو کیا اذان پھر سے دینا ہوگا یا نہیں؟

ج: جب موذن نے اذان کے کلمات صحیح ادا کئے تو اذان ہوگئی، اگرچہ مائک کی خرابی کی وجہ سے نامکمل سنائی دئے ہوں، اذان دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ مائک اور لاؤڈ اسپیکر کو صحیح رکھنے کی ضرورت ہے، تاکہ اذان کے کلمات بھی صحیح صحیح سنائی دیں۔

وعظ وغیرہ کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال

س: جمعہ کے دن ائمہ حضرات جمعہ میں وعظ فرماتے ہیں، لاؤڈ اسپیکر کی آواز باہر گونجتی ہے اور قریب قریب مسجد ہونے کی وجہ سے عورتوں کو گھروں میں نماز پڑھنا مشکل ہوجاتا ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟

ج: وعظ وغیرہ کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا بے ہنگم استعمال جس سے اہل محلّہ کا سکون غارت ہوجائے نماز پڑھنے والیوں کی نماز میں خلل واقع ہو، مریضوں اور غیر مسلموں کو الجھن وتکلیف ہو، نہ دین کا تقاضا ہے نہ عقل کا، وعظ کے لئے اگر لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی ضرورت ہو تو اس کی آواز مسجد تک ہی محدود رکھا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

امارت شرعیہ بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ کا ترجمان

ہفتہ وار
نقیب

پھلواری شریف

جلد نمبر 62/72 شمارہ نمبر 48 مورخہ ۲۴؍جمادی الاول ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۹؍دسمبر ۲۰۲۲ء روز سوموار

یکساں سول کوڈ کا شوشہ

۱۹۷۲ء سے یونی فارم سول کوڈ یعنی یکساں شہری قانون بنانے کی کوشش ہوتی رہی ہے، کانگریس اس قسم کی کوشش نرم ہندتوا مزاج کے ساتھ کرتی رہی، متبنی اور نفقۂ مطلقہ بل کے نام پر مسلم پرسنل لا پر شب خوں مارنے کی یہ کوشش آج کی نہیں ہے، کانگریس کا زوال ہوا، بی جے پی برسر اقتدار آئی، تو اس نے کھلے عام اس کو کرنا شروع کیا، تین طلاق جیسے حساس اور نازک مسئلہ پر اس نے قانون سازی کی اور عدالت کے ذریعہ اس کے نفاذ کی متواتر کوشش نے تین طلاق کے باوجود مطلقہ کے بیوی برقرار رہنے اور نان ونفقہ کی ادائیگی کو لازم قرار دیا، ایک طرف تین طلاق کو جرم قرار دے کر شوہر کو جیل کی سلاخوں میں بھیجنے کا انتظام کیا اور دوسری طرف اسے نفقہ دینے پر مجبور کیا گیا، اب کون پوچھے کہ جب شوہر جیل میں ہوگا، کام نہیں کرے گا تو نفقہ کہاں سے لا کر دے گا، جیل میں جو کام کی اجرت دی جاتی ہے، وہ متعینہ یومیہ مزدوری سے اس قدر کم ہے کہ اس سے ماہانہ مقرر کردہ نفقہ کی ادائیگی ہو ہی نہیں سکتی، امیروں کے یہاں تو یہ ممکن ہے، لیکن ایسے لوگ جو روز کماتے اور روز کھاتے ہیں، اس کے متحمل کس طرح ہو سکتے ہیں، حالاں کہ طلاق کا تناسب کمزور طبقوں میں ہی زیادہ ہوتا ہے۔

ابھی حال ہی میں شاعر اور مکالمہ نگار جاوید اختر نے بھی یہ کہہ کر سب کو چونکا دیا تھا کہ اگر شوہر کو چار بیوی کی اجازت ہے تو بیوی کو چار شوہر رکھنے کی اجازت کیوں نہیں دی جاسکتی، جاوید اختر مذہب بیزار ہیں، خدا اور رسول کے احکام سے ان کا کچھ لینا دینا نہیں ہے، یہ تو سب جانتے ہیں، لیکن انسانی نفسیات وطبعیات کے خلاف بھی وہ بیان بازی کریں گے اس کی توقع کسی کو نہیں تھی کیوں کہ ان کا شمار دانشوروں میں ہوتا ہے، اور ایک دانشور سے ایسی بے ہودہ بکواس کی توقع کم سے کم دنیا نہیں کرتی، وہ یہ بیان دیتے وقت شاید بھول گیے کہ عورت نفسیاتی طور پر چار مرد کی متحمل نہیں ہوسکتی اور اگر ہو بھی جائے تو بچوں کا نسب کس سے ثابت ہوگا، کیا چاروں کو اس کا باپ مان لیا جائے گا، اور کیا ڈی این اے ٹسٹ کے ذریعہ کسی ایک باپ کو نامزد کر دینا، جھگڑے کی بنیاد نہیں ڈالے گا، اسی طرح تعلق کے اوقات بھی نزع کا سبب بنیں گے اور عورت کی حیثیت بازیچۂ اطفال سے زیادہ باقی نہیں رہے گی، یہ اس کے ساتھ ظلم ہوگا، اس لیے شریعت نے عورتوں کو چار شادی کی اجازت نہیں دی۔

بی جے پی نے اس قسم کے واقعات، بیانات اور مسائل کے ذریعہ یکساں سول کوڈ کے ایجنڈے کو آگے بڑھانے کا کام کیا اور اب جب کہ پارلیامنٹ اور راجستھان اسمبلی کا الیکشن قریب ہے، ہندتوا کو متحد کرنے کے لیے یکساں سول کوڈ کا شوشہ چھوڑا اور راجستھان کے بی جے پی ایم پی کڑوڑی لال مینا کے ذریعہ ۹؍دسمبر ۲۰۲۲ء کو راجیہ سبھا میں پرائیوٹ یکساں سول کوڈ بل پیش کروا دیا، حزب مخالف نے برائے نام مخالفت کی اور تئیس (۲۳) ووٹ کے مقابل ترسٹھ (۶۳) ووٹ سے اس بل پر بحث کی منظوری دیدی گئی، برائے نام مخالفت کا مطلب یہ ہے کہ حزب مخالف میں آل انڈیا ترنمول کانگریس، بیجو جنتا دل، وائی ایس آر سی پی کے ارکان خاموشی سے ایوان سے باہر چلے گیے، ایوان سے باہر چلے جانے کا یہ عمل دراصل بالواسطہ حمایت کے قبیل سے ہے، یہ حضرات اگر ووٹنگ میں یونیفارم سول کوڈ کے خلاف ووٹ دیتے تو یہ بل راجیہ سبھا میں پیشی کے لیے منظور نہیں ہو پاتا، کیوں کہ راجیہ سبھا میں این ڈی اے کے ایک سو دس (۱۱۰) اور حزب اختلاف کے ایک سو انتیس (۱۲۹) ارکان ہیں، اس لیے مان لینا چاہیے کہ اس بل کی مخالفت کانگریس کی قیادت میں قائم یو پی اے میں شامل چونسٹھ (۶۴) ارکان نے بھی نہیں کیا، ورنہ مخالفین کی تعداد کم از کم چونسٹھ (۶۴) ضرور ہوتی، اور ایوان میں ترسٹھ سے ایک ووٹ زائد ہونے کی وجہ سے اسے منظور نہیں کیا جاتا، جب یو پی اے اپنے ووٹ کو متحد نہیں رکھ سکی تو دیگر پارٹیوں کے پاس جو چوسٹھ (۶۴) ارکان ہیں، ان کا رونا کیا رویا جائے، اس معاملہ کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ اب تک جسٹس بی اس چوہان کی سربراہی میں قائم لا کمیشن کی رپورٹ بھی پارلیامنٹ میں پیش نہیں کی جاسکی ہے، جو با خبر ذرائع کے مطابق ایک سو پچاسی (۱۸۵) صفحات پر مشتمل ہے اور جس میں کہا گیا ہے کہ یونی فارم سول کوڈ اس ملک میں نہ تو مطلوب ہے اور نہ ہی ضروری، لا کمیشن نے یہ رپورٹ سرکار کو ۳۱؍اگست ۲۰۱۸ء کو پیش کیا تھا، اسے اب تک پارلیامنٹ میں پیش نہیں کیا جاسکا اور اس رپورٹ کے خلاف یکساں سول کوڈ کا نیا شوشہ چھوڑ دیا گیا۔

ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ماضی میں پرائیوٹ بل کا کیا حشر ہوتا رہا ہے، ۱۹۵۲ء سے اب تک کوئی پانچ ہزار چار سو (5400) نجی بل پارلیامنٹ میں پیش کیے گیے، جن میں سے صرف چودہ بل قانون میں تبدیل ہو پائے، گذشتہ بیس سالوں کی بات کریں تو اکیس سو (2100) نجی بل پیش ہوئے اور بیش تر یا تو رد ہو گیے یا پیش کرنے والے نے اسے واپس لے لیا، جو بل قانون بن پائے اسے واپسی کے بعد حکومت نے اپنی جانب سے دوبارہ ایوان میں رکھا، ممکن ہے بعد میں اس بل کے ساتھ بھی ایسا ہی ہو، فی الوقت مسلمانوں کو اس کو عوامی سطح پر موضوع بحث بنا کر سڑکوں پر اترنے سے گریز کرنا چاہیے؛ البتہ ان تمام طبقات کے ساتھ گفت وشنید اور مشورے کرنے چاہیے جن کے پرسنل لا پر اس قانون کے مضر اثرات پڑیں گے اور وہ فنا ہو کر رہ جائے گا، یہ طبقات صرف اقلیتیں نہیں ہیں، بڑی تعداد ان غیر مسلم بھائیوں کی بھی ہے جو سماجی اور مذہبی امور کی انجام دہی میں منو سمرتی نہیں، اپنے پرسنل لا اور قبائلی رسم ورواج کے مطابق زندگی گذارتے ہیں۔ ان تمام سیاسی پارٹیوں کو اس کام کے لیے تیار کرنا چاہیے کہ وہ بحث میں یکساں سول کوڈ کے منفی پہلوؤں کو ایوان میں اجاگر کریں، تاکہ یہ بل اپنی موت آپ مرجائے یا کڑوڑی لال مینا اسے واپس لے لے۔ ضرورت ہے کہ مخالف ماحول میں سازگار فضا بنائی جائے اور ہر حال میں اس بل کو پاس ہونے سے روکا جائے، کس طرح؟ یہ سوچنا اور لائحۂ عمل تیار کرنا قائدین کی ذمہ داری ہے۔

یوم انسانی حقوق

ابھی چند دن قبل ۱۰؍دسمبر کو پوری دنیا میں یوم حقوق انسانی کے طور پر منایا گیا، ہمارے یہاں یہ اب رسم سی بن گئی ہے، ۱۰؍دسمبر ۱۹۴۸ء کو اقوام متحدہ کی مجلس عام نے عالمی حقوق انسانی کے نام سے ایک دستاویز جاری کیا تھا، جس کے بہت سارے دفعات اسلام کے حقوق انسانی منشور سے لیے گئے تھے، آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اکرام انسانیت اور احترام آدمیت کا جو درس دیا تھا وہ اتنا جامع اور بقاء باہم کے لیے اس قدر عملی ہے کہ کسی اور منشور اور مینو فیسٹو کی ضرورت نہیں ہے، ان اصولوں کو حلف الفضول، میثاق مدینہ اور خطبہ حجۃ الوداع میں بآسانی دیکھا جاسکتا ہے، قرآن کریم میں اکرام آدمیت اور قتل وغارت گری سے احتراز اور روئے زمین پر فساد پھیلانے سے گریز کا جو درس دیا گیا ہے اس کی نظیر کہیں اور نہیں ملتی۔

عالمی حقوق انسانی کا جو دستاویز اقوام متحدہ نے تیار کیا، اس سلسلے میں حساسیت پیدا کرنے کے لیے اس نے ۱۰؍دسمبر ۱۹۵۰ء کو یہ فیصلہ لیا کہ ۱۰؍دسمبر کو یوم حقوق انسانی کے طور پر منایا جائے، اقوام متحدہ کا ماننا ہے اس کی وجہ سے لوگوں میں سماجی، ثقافتی، اور جسمانی حقوق کے سلسلے میں بیداری پیدا ہوگی اور وہ آزادی، مساوات اور عزت نفس کے ساتھ زندگی خود بھی گذارنے کے لیے تیار ہوں گے اور دوسروں کو بھی اس کا موقع دیں گے، ہندوستانی دستور کے باب ۳ میں بنیادی حقوق کے ضمن میں اس کا تذکرہ موجود ہے اور ان حقوق کی ان دیکھی یا پامالی کرنے والوں کے لیے عدالت کے فیصلے کے مطابق سزا بھی دی جاسکتی ہے، لیکن ہندوستان ہی نہیں پوری دنیا میں جس طرح انسانی حقوق کو نظر انداز کر کے نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب وغیرہ کے حوالہ سے تفریق کی جارہی ہے، وہ جگ ظاہر ہے، حقوق کا ذکر تو ہے، لیکن ان کی تنفیذ نہیں ہو پا رہی ہے، تاریخ کا سیاہ باب ہے، اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ لوگوں نے حقوق اور فرائض کو الگ الگ سمجھ رکھا ہے، اپنے حقوق کے سلسلے میں سب حساس ہیں، لیکن اپنے فرائض کی ادائیگی میں سستی اور کاہلی سے کام لیتے ہیں، حالاں کہ سماجیات کا مشہور مقولہ ہے کہ حقوق وفرائض میں چولی دامن کا ساتھ ہے، دونوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا، بہت ساری صورتوں میں حق دینا آپ کے فرائض میں شامل ہوجاتا ہے، آپ نے اگر اس طرف توجہ نہیں دیا تو یقیناً دوسرے کی حق تلفی ہوجائے گی۔

ہندوستانی دستور میں پہلے سات بنیادی حقوق کا ذکر کیا گیا تھا، جن میں مالیات بھی شامل تھا، لیکن دستور کی چوالیسویں ترمیم جو ۱۹۷۸ء میں کی گئی تھی، اس میں مالیاتی حقوق کو دستور کی دفعہ ۳۰۰ء (اے) میں رکھ دیا گیا، چنانچہ اب صرف چھ بنیادی حقوق ہیں، جن میں مذہبی، تعلیمی، ثقافتی آزادی بھی شامل ہے، استحصال کے خلاف آواز اٹھانے کا حق بھی اس کا ایک حصہ ہے، مرکزی اور ریاستی سطح پر انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے دو کمیشن بنے ہوئے ہیں، ابتدائی اندازے کے مطابق ۲۰۲۲ء میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے سات ہزار سات سو ساٹھ (7760) معاملے درج ہوئے، پہلے سے چلے آرہے اور اس سال درج ہوئے مجموعی مقدمات میں سے آٹھ ہزار سات سو سترہ (8717) معاملات حل کیے جاسکے، جبکہ نئے پرانے چودہ ہزار تین سو چورانوے (14394) معاملات آج بھی کمیشن کے سامنے زیر غور ہیں، یہ وہ معاملات ہیں جو قومی حقوق کمیشن کے سامنے درج ہوئے ۲۳-۲۰۲۲ء مالیاتی سال میں اس میں مزید اضافہ کا امکان ہے اور اسے بڑھ کر انہتر ہزار چھ سو دس تک پہونچ جانے کی امید کی جارہی ہے۔

بہار ریاستی انسانی حقوق کمیشن کی بات کریں تو معلوم ہوگا کہ چھ ہزار چھ سو تہتر (6673) شکایتیں کمیشن کو ملیں، اچھی بات یہ ہے کہ بہار انسانی حقوق کمیشن نے چھ ہزار ایک سو اناسی (6179) معاملات کو نمٹانے میں کامیابی حاصل کی، ان میں چالیس سے پچاس فی صد معاملات تو محکمہ پولیس ہی سے متعلق تھے۔

اس کے علاوہ بہت سارے معاملات ایسے ہیں جو کمیشن کے سامنے مختلف رکاوٹوں کی وجہ سے آ ہی نہیں سکے، اگر بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کی ایسی ہی کثرت رہی تو یوم حقوق انسانی منانے کا حاصل ہی کیا رہ جائے گا، سب لوگ اپنی ذمہ داری سمجھنے لگیں، ان میں افراد، جماعتیں، سرکاریں سبھی شامل ہیں، تبھی بنیادی حقوق کی حفاظت ممکن ہو سکے گی۔

مولانا آزاد نیشنل اسکالرشپ کا خاتمہ

مرکزی حکومت کی اقلیتی دشمنی کا ایک اور ثبوت سامنے آیا ہے، اس نے ایم فل اور پی ایچ ڈی کرنے والے طلبہ کے لیے جاری مولانا آزاد نیشنل اسکالرشپ بند کرنے کا اعلان کیا ہے، یہ فیلوشپ پانچ سال کے لیے ہوتا تھا اور اقلیتی طبقات بدھ، جین، عیسائی، پارسی اور سکھ مذہب سے تعلق رکھتے والے طلبہ وطالبات کو ملا کرتا تھا، اس فیلوشپ کا دائرہ ہندوستان میں باقاعدہ اور کل وقتی تحقیق کرنے والے طلبہ وطالبات کے ساتھ یونیورسیٹی گرانٹس کمیشن (یو جی سی) کے ذریعہ تسلیم تمام یونیورسیٹیوں اور اداروں تک پھیلا ہوا تھا، اس کا آغاز ۲۰۰۹ء میں راجندر سنگھ سچر کمیٹی کی سفارشات کے بعد کیا گیا تھا، یہ اطلاع وزیر اقلیتی امور اسمرتی ایرانی نے کانگریس رکن پالیمان ٹی این پرتھاپن کے ذریعہ اٹھائے گیے ایک سوال کے جواب میں پارلیامنٹ میں دیا، انہوں نے کہا کہ اقلیتی طلباء وطالبات اسکالرشپ کی دوسری اسکیموں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، البتہ مولانا آزاد نیشنل فیلوشپ سے اب وہ فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔ مختلف سیاسی پارٹیوں کا خیال ہے کہ یہ اقلیتی برادری کے ساتھ نا انصافی ہے اور اس سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے اقلیتی طلبہ وطالبات کے منصوبوں پر اوس پڑ جائے گی اور وہ اعلیٰ تعلیم کے حصول سے محروم رہ جائیں گے۔ اسی درمیان وزیر خزانہ سیتارمن کا بیان آیا ہے کہ یہ اسکالرشپ ختم نہیں کیا گیا ہے، ان کے بیان کے آخری جملہ سے ختم نہ ہونے کا مطلب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ جن کو مل رہا تھا انہیں پانچ سال کی مقررہ مدت تک ملتا رہے گا۔

حکومت کے اس فیصلے سے لوگوں میں یہ پیغام گیا ہے کہ سب کا ساتھ سب کا وکاس بھی مودی جی کے دوسرے جملوں کی طرح محض ایک جملہ ہے اور انہیں اقلیتوں کی تعلیم اور ان کے اقتصادی حالات کو ٹھیک کرنے کے تعلق سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، ضرورت ہے کہ حکومت اس فیصلے پر نظر ثانی کرے، تاکہ اعلیٰ تعلیم کے حصول میں اقلیتوں کی دشواریاں دو، ہوسکیں۔

یادوں کے چراغ

=========== ✍: مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

احمد علی برقی اعظمی

اردو اور فارسی کے مشہور فی البدیہ شاعر، آل انڈیا ریڈیو نئی دہلی شعبہ فارسی کے سابق سربراہ، غالب اکیڈمی کی گورننگ کونسل کے رکن ڈاکٹر احمد علی برقی کا حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے ان کی سسرال جون پور یوپی میں انتقال ہو گیا، وہ چند روز قبل ہی اعظم گڈھ سے جونپور گیے تھے، سوموار ۴/دسمبر ۲۰۲۲ء صبح انہیں گھبراہٹ محسوس ہوئی، اسپتال میں بھرتی کرایا گیا، لیکن ۵/بجے صبح ۵/دسمبر کو جان جاں آفریں کے سپرد کر دیا، جنازہ ان کے وطن کوٹ اعظم گڈھ لے جایا گیا اور اسی دن بعد نماز عشاء مقامی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ پس ماندگان میں اہلیہ شہناز بانو ایک لڑکا فراز عالم اور تین بیٹیاں رخشندہ پروین، نازیہ اور سعدیہ پروین کو چھوڑا۔

احمد علی برقی اعظمی کی زندگی کا سفر ۲۵/دسمبر ۱۹۵۴ء کو ان کے والد مشہور شاعر رحمت علی برق اعظمی کے گھر واقع محلّہ باز بہادر اعظم گڈھ سے شروع ہوا، درجہ پنجم تک مدرسہ اسلامیہ باغ میر پٹیلو محلّہ آصف گنج شہر اعظم گڈھ سے حاصل کی، ۱۹۶۹ء میں شبلی ہائر سکنڈری اسکول سے دسویں پاس کرنے کے بعد شبلی نیشنل کالج اعظم گڈھ سے ۱۹۷۱ء میں انٹر، ۱۹۷۳ء میں بی اے اور ۱۹۷۵ء میں ایم اے اردو نیز ۱۹۷۶ء میں یہیں سے بی ایڈ کیا، ۱۹۷۹ء میں جواہر لال نہرو یونیورسیٹی سے ایم اے فارسی اور ۱۹۹۶ء میں وہیں سے پی ایچ ڈی کیا، ایران کلچر ہاؤس سے ملازمت شروع، جلد ہی وہ ۱۹۸۴ء میں آل انڈیا ریڈیو کے شعبہ فارسی سے منسلک ہو گے اور اپنی زبان دانی، علمی رکھ رکھاؤ اور انتظامی صلاحیتوں کی وجہ سے شعبہ کی سربراہی کے منصب تک پہونچے، ۳۱/دسمبر ۲۰۱۴ء کو ملازمت سے سبکدوشی کے بعد بھی آکاش وانی والے جز وقتی طور پر آپ کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاتے رہے، ان کی شاعری کے دو مجموعے روح سخن اور محشر خیال علی الترتیب ۲۰۱۳ اور ۲۰۱۹ء میں اشاعت پذیر ہوئے۔

اردو میں موضوعاتی شاعری اسلامی تناظر میں ابو الاثر حفیظ جالندھری نے شروع کیا تھا، جس کا مجموعہ شاہنامہ اسلام کے نام سے جانا جاتا ہے، ہمارے عہد میں ڈاکٹر عبدالمنان طرزی دربھنگہ اس فن کے امام ہیں، دوسرا بڑا نام احمد علی برقی اعظمی کا تھا جو ہمارے درمیان سے رخصت ہو گیے، انہوں نے غالبا آخری نظم پروفیسر معراج الحق برق کے انتقال پر ۲/دسمبر ۲۰۲۲ء کو کہی تھی، جو ان کی علالت کی وجہ سے اخبارات کی زینت نہیں بن سکی، ان کی خدمات کے اعتراف میں دہلی اردو اکادمی نے انہیں اعزاز دیا، اردو گلڈ جموں کشمیر نے ۲۰۱۴ء میں فخر اردو ایوارڈ اور اکرم میموریل پبلک سوسائٹی نجیب آباد بجنور نے محمد علی جوہر ایوارڈ سے بھی نوازا تھا، ڈاکٹر احمد علی برق کی شخصیت پرت در پرت تھی وہ ایک بار میں کسی پر خود کو منکشف نہیں کرتے تھے آپ جتنے دن ان کے ساتھ رہتے ہر دن ان کی ایک نئی خصوصیت کا افشا آپ پر ہوتا، وہ اردو فارسی کے ساتھ انگریزی پر بھی عبور رکھتے تھے؛ لیکن مزاج میں تعلی اور علم وفن کا پندار وغرور نہیں تھا، اس لیے جھیلانے والوں کو بھی برت لیتے تھے، تعصب وتنگ نظری سے کوسوں دور تھے، معاندانہ جذبات ان کو چھو کر نہیں گذرتے تھے اور چھل کپٹ ان کو آتی نہیں تھی، وہ احباب ورفقاء کے سخت جملوں اور طنز وتعریض سے بھری گفتگو کو بھی اچھا رخ دینا جانتے تھے، اس لیے ان کو کسی سے نہ کوئی گلہ تھا اور نہ شکوہ، برقی اعظمی نے بہت لکھا اور بہت سارے موضوعات مثلاً سائنس، طب، حالات حاضرہ، آفات ارضی وسماوی، گلوبل وارمنگ، سونامی اور زلزلے وغیرہ پر شاعری کی، بڑی بات یہ ہے کہ ان کی زود نویسی نے ان کے فن کو نقصان نہیں پہونچایا، ان کی شاعری پر شمیم ریاض نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''ڈاکٹر برقی اعظمی کی شاعری میں موضوعات کا تنوع، جدت اور ہمہ گیری ان کی انفرادیت کا ثبوت ہے، برق رفتاری سے شاعری کے باوجود ان کا شعر فنی سقم سے بالکل منزہ ہوتا ہے، ان کے تخیل کی پرواز نے ان کی شاعری کو آفاقی بنا دیا ہے''۔ (مطبوعہ انقلاب ۱۱/دسمبر ۲۰۲۲ء)

گذشتہ چند دہائیوں مین انٹرنیٹ ہر کس وناکس اور ہر مہہ وکہہ تک پہونچ گئی، اس سے اطلاعاتی انقلاب آیا، برقی اعظمی نے انٹرنیٹ کے ذریعہ پروگرام کی رپورٹنگ اور اپنی شاعری وتحریروں کو جس تیزی کے ساتھ لوگوں تک پہونچانے کا کام کیا وہ اپنی نظیر آپ ہے، ان کے پوسٹ کی تفصیلات بھی شاعری میں ہی ہوا کرتی تھی، لوگ اس سے کافی محظوظ ہوا کرتے تھے۔

موضوعاتی شاعری کے بعد انہوں نے اردو غزل کی طرف اپنی توجہات مرکوز کیں اور غزل مسلسل کو عروج بخشا، انہوں نے شعراء وادباء کی کتابوں پر فی البدیہہ تبصرہ لکھا اور جب کسی کے مرنے کی خبر آئی، ان کا ذہن مرثیہ گوئی اور خراج عقیدت میں لگ گیا، وہ برجستہ اور فی البدیہہ شاعری میں مہارت رکھتے تھے، اور اس حوالہ سے ان کا نام اور کام انتہائی ممتاز ہے۔

ایسے باکمال انسان کا رخصت ہو جانا ایک بڑا نقصان ہے، اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ان کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل۔ آمین۔

کتابوں کی دنیا

✍: ایڈیٹر کے قلم سے ==========(تبصرہ کے لئے کتابوں کے دو نسخے آنے ضروری ہیں)

دریچہ

صارفیت، مصروفیت اور مشغولیات کے اس دور میں وقت کی کمی کا احساس بڑھتا چلا جا رہا ہے، اب لوگوں کے پاس داستان، ناول اور طویل افسانے پڑھنے کے لیے وقت نہیں ہے، اس لیے داستان ناول، لکھنے کا رواج کم ہوتا جا رہا ہے، افسانہ مختصر کہانی کے طور پر ہی لکھا جاتا تھا اور وہ زندگی کے کسی ایک واقعہ؛ بلکہ کبھی واقعہ کے کسی ایک جز کو موضوع بنا کر لکھا جاتا تھا، پھر دھیرے دھیرے سعادت حسن منٹو نے مختصر ترین کہانی لکھنی شروع کی اور اسے ''سیاہ حاشیہ'' کے نام سے لوگوں کے سامنے پیش کیا، منٹو کے اسلوب، سماج پر طنز اور تقسیم ہند کے پس منظر میں یہ کہانیاں مقبول ہوئیں، افسانے کے اجزاء ترکیبی کی وجہ سے یہ افسانہ ہی رہا، لیکن مختصر ترین ہونے کی وجہ سے ''نون اور ہے کے درمیان ایک ''چ'' کا اضافہ کر کے اہل ادب نے اصناف ادب میں اسے ''افسانچہ'' کے عنوان سے متعارف کرایا، احمد رضا ہاشمی نے بجا طور پر اسے ''لمحاتی احساس کو لفظوں سے سجانے'' سے تعبیر کیا ہے۔ افسانچوں میں پلاٹ، کردار، مکالمہ، ماحول اور مخالف ماحول پیدا کرنے سے زیادہ اس کے اختتامیہ پر پوری توجہ مرکز کرنی ہوتی ہے، جسے پنچ لائن کہتے ہیں، لطیفوں میں بھی یہی کچھ ہوا کرتا ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ لطیفوں کا اختتامیہ ایسے جملوں پر ہوتا ہے، جس سے آپ کے ہونٹوں پر ہنسی کھیلنے لگتی ہے اور افسانچہ کی آخری سطر کو پڑھ کر آپ کو ہنسنے پر نہیں کچھ سوچنے اور اخلاقی اقدار کے زوال پر ماتم کرنے کو جی چاہنے لگتا ہے، اسے ایک مثال سے سمجھئے۔ بہت پہلے ایک افسانچہ پڑھا تھا کہ'' دو گدھ نے ایک مردار کو دیکھا، ایک نے دوسرے سے کہا؛ چلو دوسروں کو خبر کرتے ہیں، سب مل بانٹ کر کھائیں گے، دوسرے نے کہا اس کی ضرورت نہیں، ہم دونوں ہی اسے نوش کریں گے، دوسرے گدھ کا یہ جواب سن کر پہلے نے کہا یار! لگتا ہے تو بھی انسان ہو گیا'' سعادت حسن منٹو کا ایک مشہور افسانچہ ان کی کتاب سیاہ حاشیے میں شامل ہے کہ'' آگ لگی تو سارا محلّہ جل گیا، صرف ایک دوکان بچ گئی، جس کی پیشانی پر یہ بورڈ آویزاں تھا۔ یہاں عمارت سازی کا جملہ سامان ملتا ہے''۔

منٹو کے بعد ایک طویل فہرست افسانچہ نگاروں کی ہے، جن میں خواجہ احمد عباس، جوگندر پال، رتن سنگھ، رام لال، الیاس احمد گدی، شین مظفر پوری، عطیہ پروین، فاروق ارگلی، بشیشر پردیپ، افتخار ایلی، مناظر عاشق ہرگانوی، رضوان احمد، خسرو متین، انجم عثمانی، سید احمد قادری، بانو سرتاج، نینا جوگن، نوشاد عالم آزاد، سوشوبھن سین گپتا وغیرہ کے نام لیے جا سکتے ہیں، ان حضرات کے افسانچوں کی فہرست طویل نہیں ہے، لیکن ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

افسانچوں کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک افسانے میں کئی کئی افسانچے ہوتے ہیں، آپ افسانے سے پیراگراف کاٹ کر لکھ دیجئے اور اختتامیہ کے جملے جاندار ہوں تو وہ افسانچہ بن جاتا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح ہم ارکان کی رعایت کے ساتھ نثری تحریروں میں سے الگ الگ جملوں کو لکھتے ہیں تو وہ نثری شاعری یا آزاد شاعری کے نام سے نئی چیز ہمارے سامنے ہوتی ہے، افسانچے نے جب افسانے سے الگ اپنی پہچان بنالی تو پہلے سو الفاظ کے افسانے لکھے گیے، پھر پچاس الفاظ کے اور اب احمد بن نذر پچیس الفاظ پر مشتمل افسانچے لکھ رہے ہیں جو برصغیر میں کافی مقبول ہیں، وہ بڑی تیزی سے افسانچوں کی تخلیق کر رہے ہیں، اور بڑی حد تک کامیاب ہیں۔

ہمارے عہد میں ایک دوسرا بڑا نام افسانچوں کے حوالہ سے احمد رضا ہاشمی کا ہے، بنیادی طور پر ان کی پیشہ وارانہ وابستگی ہندی صحافت سے ہے، دوردرشن پر ہندی کے ساتھ اردو کی بھی خبریں پیش کرتے ہیں، ماس کمیونیکیشن پٹنہ اور کالج آف کامرس میں بھی خدمات انجام دی ہیں، زندگی کے مختلف شعبوں میں مشغولیت کی وجہ سے بہت ساری تنظیموں نے انہیں ایوارڈ سے بھی نوازا ہے، قابل ذکر یہ بات بھی ہے کہ ریاستی سطح کے مقابلے میں مختصر کہانی نویسی کا پہلا انعام بھی انہیں مل چکا ہے، ''ایسا کیوں'' کے نام سے ہندی میں ان کے پچھہتر (۷۵) افسانچوں کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے، اور اب یہ اردو کے قالب میں ہمارے سامنے ہے، ہم ان کو پڑھ کر سماج کے گھنونے احساس، ٹوٹتی قدریں اور مادیت کے دور میں منتشر ہوتے رشتوں کی بازگشت سن رہے ہیں اور ان کا اختتامیہ ہمیں سوچنے اور حالات کی سنگینی کو محسوس کرنے کی دعوت دیتا ہے، ان افسانچوں کے خیالات ہمارے گرد وپیش اور روز مرہ کی زندگی سے ماخوذ ہیں، بعض افسانچے خالصا اسلامی افکار وخیالات سے مستعار ہیں، جس کو افسانچہ نگار نے اپنے خاص اسلوب میں ہم تک منتقل کر دیا ہے، خصوصا ماں سے متعلق جو افسانچے ہیں اور اس کتاب کا نام جس افسانچہ سے لیا گیا ہے دریچہ، اس میں بھی انسانی اقدار کو پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔

اس مجموعہ کے سارے افسانچے تاثر کے اعتبار سے مساوی نہیں ہیں، بعضوں کا اختتامیہ اتنے سادے طور پر ہو گیا ہے کہ ہمارے ذہن میں کوئی خاص تاثر نہیں ابھرتا، یہ صحیح ہے کہ ہیئت اور فورم سے زیادہ اس بات کی اہمیت ہے کہ پیغام کیا دیا جا رہا ہے، البتہ جس ہیئت میں ہم پیغام دینا چاہتے ہیں ان کے خصائص اور مسلمات کی رعایت بھی ضروری ہے، ورنہ افسانہ، افسانچہ سیدھا اور سپاٹ ہو جاتا ہے، یا بنیے کے روزنامچہ کی طرح خشک اور کھردُرا، مثال کے طور پر بدلاؤ کے اختتامیہ کو دیکھا جا سکتا ہے، کاش میرے والد زندہ ہوتے تو میں ان کی انگلی پکڑ کر چلنے میں خوش قسمت سمجھتا، بات سچی ہے، لیکن سپاٹ ہے، اسی طرح لگھو کتھا کا اختتامیہ بھی قاری پر کوئی خاص اثر نہیں چھوڑتا، بھیا جی! اب تو میں آپ کی لگھو کتھا ہر دن سنوں گی، اپنی بستی میں لوگوں کو سناؤں گی، پڑھنا کوئی نہیں جانتا، پرسندیس سب کو پسند ہے، میرے بابا اور بٹیا بھی سنیں گے''۔

میں دریچہ کے سارے افسانے کے بارے میں یہ بات نہیں کہہ رہا، بلکہ بعض کے بارے میں یہ بات لکھی ہے اور میں نے شعوری اور احترازی طور پر اس کے لیے بعض لفظ کا استعمال کیا ہے، اسی طرح بعض کہانیوں کا اختتامیہ حقیقت پر مبنی نہیں ہے اور اس سے غلط پیغام لوگوں تک پہونچے گا، مثال کے طور پر ''عبدل'' کو دیکھا جا سکتا ہے، اس افسانچہ کو اختتام تک پہونچاتے وقت احمد رضا ہاشمی کے دماغ میں شاید ندا فاضلی کا یہ شعر گردش کر رہا تھا، جو اختتامیہ میں سما گیا، ندا فاضلی کے اس شعر سے میں اتفاق نہیں کر سکا، لکھتے ہیں:

گھر سے مسجد ہے بہت دور چلو یوں کر لیں
کسی روتے ہوئے بچے کو ہنسایا جائے

یہ میرا اپنا احساس ہے، اس موقع سے میں اساطین ادب کے ان خیالات کو بھی پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں، جو اس کتاب کی مشمولات کا حصہ ہیں، ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ یافتہ ناول نگار ڈاکٹر عبدالصمد لکھتے ہیں:

''جب ایک ساتھ میرے سامنے ان کے کئی مختصر افسانے آئے تو میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، میں ان کے افسانوں کو افسانچہ کے زمرے میں نہیں رکھ سکتا، ان کے افسانے مختصر ضرور ہیں، بلکہ بعض مختصر ترین ہیں، پھر بھی افسانے کی تعریف پر پورے اترتے ہیں اور افسانہ نگار ان کے ذریعہ جو کچھ کہنا چاہتا ہے اس کی ترسیل کامیابی کے ساتھ ہو جاتی ہے''۔

یہ کتاب اردو ڈائرکٹوریٹ محکمہ کابینہ سکریٹریٹ حکومت بہار کے تعاون سے چھپی ہے، ایک سو ساٹھ صفحات کی قیمت دو سو روپے رکھی گئی ہے، سستی کتابیں پڑھنے کا رواج ختم ہوتا جا رہا ہے، نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز کے تحت یہ قیمت زیادہ بھی رکھی جا سکتی تھی، ملنے کا پتہ ایک ہی القلم پبلک اسکول لوہروا گھاٹ عالم گنج پٹنہ ۷ ہے، انتساب والدین کے نام احمد رضا ہاشمی کی سعادت مندی اور قدردانی کی دلیل ہے، انتساب میں دعائیہ جملے آخرت کے اعتبار سے بھی مفید ہیں، اصل کتاب شروع کرنے سے قبل مصنف کا ابتدائیہ ''میرے قلم سے'' ''چھپی ہوئی چنگاری'' ڈاکٹر عبدالصمد، ''دیباچے سے'' ڈاکٹر ریحان غنی، ''دریچہ زندگی کا'' جناب سرفراز عالم اور ''من کا دریچہ'' جناب انظار احمد صادق کی تحریریں ان افسانچوں کو سمجھنے اور کتاب کی قدر و قیمت کو واشگاف کرنے میں معاون ہیں، یہ تحریریں نہ بھی ہوتیں تو مشک آنست کہ خود ببوید نہ کی عطار گوید کے مثل اس کتاب کی کہانیاں قاری کے دل ودماغ کو ان مسائل کی طرف مبذول کرانے میں کامیاب ہو جاتیں، ان حضرات کی تحسین وتعریف کے کلمات نے اس کتاب کی قدر و قیمت میں اضافہ کیا ہے۔

حکایات اہل دل

✍ : مولانا رضوان احمد ندوی

چہرے کی سیاہی دور ہوگئی: حضرت جنید بغدادی (المتوفی ۲۹۷ھ) کبار اولیاء وصوفیاء کے سرخیل تھے، وہ اپنے شاگردوں پر گہری نظر رکھتے تھے، بصرے میں ان کا ایک شاگرد تھا جو ذرا آزاد خیال تھا، اس کے پڑوس میں ایک خوش شکل کنیز تھی جو اس کی طرف دیکھ کر مسکراتی رہتی تھی، ایک دن شاگرد کے دل میں لمحے بھر کے لئے گناہ کا خیال پیدا ہوگیا اور اسی لمحے اس کا چہرہ سیاہ ہوگیا، اس نے بہت کوشش کی کہ سیاہی کسی طرح ختم ہوجائے، لیکن وہ اپنا چہرہ جتنا زیادہ رگڑتا سیاہی اتنی ہی بڑھتی جاتی، تین روز اسی طرح گذر گئے، شاگرد رورو کر شیخ کو یاد کرتا اور اللہ سے دعاء مانگتا کہ شیخ کے طفیل میں اس کا گناہ بخش دے، چنانچہ رفتہ رفتہ وہ سیاہی دور ہونی شروع ہوگئی اور چند ہی روز میں چہرہ بالکل صاف ہوگیا، اسی دوران اسے شیخ کا ایک خط ملا، میرے بیٹے! آئندہ کوشش کرنا کہ خدا کی بارگاہ میں ہمیشہ باادب رہو، تمہاری خاطر مجھے دھوبی کا کام کرنا پڑا، تاکہ تمہارے چہرے کی سیاہی دھوسکوں، اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں سے عقیدت ومحبت رکھنے سے اللہ تعالیٰ دلوں کے تزکیہ کے اسباب پیدا فرمادیتے ہیں۔

بزرگان دین کو حقارت سے مت دیکھو: نویں صدی ہجری میں ریاست کرناٹک کے شہر رائچور میں ایک ولی کامل گذرے ہیں، حضرت سید شاہ شمس عالم حسینی کی ذات گرامی، آپ کا سلسلہ نسب ۲۳/واسطوں سے سیدنا حضرت حسینؓ تک جاپہونچتا ہے، آپ کا اصل نام سید احمد ہے، لیکن شمس عالم سے مشہور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ طبقہ اولیاء میں آفتاب کی مانند روشن تھے، آپ کے کشف وکرامات کے متعدد واقعات تذکرہ کی کتابوں میں ملتے ہیں، اسی طرح کا ایک واقعہ ہے کہ آپ ایک مرتبہ کسی درخت کے سایہ میں عالم استغراق میں محو تھے کہ حاکم وقت کی زوجہ سیر وتفریح کرتے ہوئے وہاں پہونچی، جب اس عورت کی نظر آپ پر پڑی تو اس نے بے اختیار کہا اف یہ فقیر کس قدر خوبصورت ہے، مگر دانت بہت بڑے ہیں، یہ کہنا تھا کہ اس خاتون کے چند دانت گر گئے، اس نے حیران وپریشان ہوکر اس واقعہ کا ذکر اپنے شوہر سے کیا، اس نے جب یہ واقعہ سنا تو فوراً اس کو لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، دست بستہ معافی چاہی، آپ نے تمام دانت منہ میں ڈال دینے کا حکم دیا، پھر وہ تمام جوں کے توں جم گئے، اس کرامت کو دیکھ کر وہ دونوں حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔

ملکہ زبیدہ کی بخشش: خلق خدا کے لئے اور بالخصوص حجاج کرام کے لئے زبیدہ ملکہ نے ایک اہم کام انجام دیا، تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ زبیدہ جو ہارون رشید کی بیوی تھی، جب وہ حج کے لئے گئی تو انہوں نے ارادہ کیا کہ مکہ سے عرفات تک پانی کے لئے نہر ہونی چاہئے، تاکہ حاجیوں کے لئے پانی کی سہولت ہوجائے، بہت سے ماہر انجینئروں کو بلایا، انجینئروں نے مشورہ دیا کہ بہت روپیہ خرچ ہوجائے گا، زبیدہ ملکہ نے کہا کہ ایک پھاوڑے پر ایک اشرفی خرچ ہوگی، ہونے دو، تم کام شروع کرو، چنانچہ کام شروع کردیا گیا، نہر تیار ہوگئی، پہلے زمانہ کے حاجی لوگ جو پانی کے جہاز سے جاتے تھے انہوں نے وہ نہر دیکھی ہے، نہر کے تیار ہونے کے بعد ملکہ زبیدہ کے پاس انجینئر حساب بنا کر یعنی فائل تیار کرکے لائے، زبیدہ ملکہ نے کہا کوئی حساب وکتاب نہیں اور سب کاغذات پھاڑ دیئے کہ کہیں کل اللہ میرا حساب نہ لیں، میں تمہارا حساب نہیں لیتی، بہرحال زبیدہ ایک نیک ملکہ تھی، اس نے نہر زبیدہ بنواکر مخلوق خدا کو بہت فائدہ پہنچایا، اپنی وفات کے بعد وہ کسی کے خواب میں نظر آئی، اس نے پوچھا: زبیدہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟ زبیدہ نے جواب دیا اللہ رب العزت نے بخشش فرمادی، خواب دیکھنے والے نے کہا کہ آپ نے نہر زبیدہ بنواکر مخلوق کو بہت فائدہ پہنچایا، آپ کی بخشش تو ہونے ہی تھی، زبیدہ نے کہا کہ نہیں جب نہر والا عمل پیش کیا گیا تو پروردگار عالم نے فرمایا کہ یہ کام تو تم نے خزانہ کے پیسوں سے کروایا ہے، اگر خزانہ نہ ہوتا تو نہر نہ بنتی، مجھے یہ بتاؤ کہ میرے لئے تم نے کیا کیا عمل کیا؟ زبیدہ نے کہا کہ میں تو گھبرا گئی کہ اب کیا ہوگا؟ مگر اللہ رب العزت نے مجھ پر مہربانی فرمائی، کہا گیا تمہارا ایک عمل ہمیں پسند آگیا، ایک مرتبہ تم بھوک کی حالت میں دسترخوان پر بیٹھی کھانا کھارہی تھی کہ اتنے میں اللہ اکبر کے الفاظ سے اذان کی آواز سنائی دی، تمہارے ہاتھ میں لقمہ تھا اور سر سے دوپٹہ سرکا ہوا تھا، تم نے لقمہ کو واپس رکھا، پہلے دوپٹہ کو ٹھیک کیا، پھر لقمہ کھایا، تم نے لقمہ کھانے میں تاخیر میرے نام کی وجہ سے کی، اس لئے ہم نے تمہاری مغفرت فرمادی، دیکھئے ذرا سی تاخیر کی وجہ سے اللہ نے نواز دیا، لقمہ بعد میں کھایا، پہلے اللہ کے نام کا ادب کیا، احترام کے ساتھ اللہ کا نام سنا، آج کل ہماری مائیں اور بہنیں ننگے سر چلتی پھرتی رہتی ہیں، ننگے سر کھاتی پیتی رہتی ہیں، ننگے سر رہنا ایک فیشن بن گیا ہے، ماں بھی خوش ہورہی ہے، ابا بھی خوش ہورہے ہیں، بھائی بھی خوش ہورہا ہے کہ ہماری بہن موڈرن بنی ہوئی ہے، حالانکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی سخت وعید فرمائی ہے، فرمایا جو عورتیں گھروں میں ننگے سر رہتی ہیں، ان کے گھروں میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے، کتنی بڑی محرومی کی بات ہے، پھر گھر والے روتے ہیں کہ گھر میں برکت نہیں ہورہی ہے، اللہ کی مہربانی نہیں ہورہی ہے۔

دوستو! برکتوں اور رحمتوں کو ہم خود دور کررہے ہیں، نبی کے فرمان کو ہم پامال کررہے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی ادائیگی کی کوئی فکر نہیں ہورہی ہے، ورنہ دوستو! اگر ہم نبی کی سنتوں کے مطابق زندگی گزاریں تو ہم ہر اعتبار سے مالا مال ہوجائیں، ہمارے گھر رحمتوں اور برکتوں سے بھر جائیں۔

نقش قدم نبی ہیں جنت کے راستے — اللہ سے ملاتے ہیں سنت کے راستے

(حوالہ خطبات اسلم)

قاضی کی دوراندیشی: یزید بن ہارون سے منقول ہے کہ واسط کے ایک قاضی ثقہ اور حافظِ حدیث تھے، ان کے سامنے ایک مقدمہ آیا کہ ایک شخص نے ایک شاہد کے پاس اپنی سربند تھیلی امانت رکھوائی اور یہ کہا کہ اس میں ایک ہزار دینار ہیں، وہ امانت رکھنے والا ایک طویل مدت تک تھیلی لینے نہ آیا، تب اس شخص کو خیال ہوا کہ بظاہر تھیلی رکھوانے والا مرگیا، اس نے یہ کام کیا کہ تھیلی کی مہر توڑنے کے بجائے تھیلی کو نیچے سے ادھیڑا اور اس میں سے دینار نکال کر درہم بھر دیے اور پھر اسی طرح سی دیا۔

اتفاق سے کچھ ہی روز بعد تھیلی والا آیا، اس نے تھیلی طلب کی تو اس نے واپس کردی، اس نے لے جاکر اسے کھولا تو اس میں سے درہم نکلے وہ اس شخص کے پاس آیا اور کہا اللہ تمہیں معاف کرے، میرا مال مجھے دو، اس تھیلی میں تو دینار تھے اور برآمد ہوئے درہم! اس شاہد نے ردوکد کی اور کہا کہ میں نے تو تمہاری تھیلی جیسی تھی ویسی ہی واپس کردی، آخرکار قاضی کے سامنے مقدمہ گیا تو اس نے اس شاہد کو بلوایا، مدعی اور مدعی الیہ دونوں آگئے تو انہوں نے پوچھا کہ یہ تھیلی تم نے کب رکھوائی تھی معلوم ہوا کہ پندرہ سال گزر گئے تب قاضی صاحب نے تھیلی کے درہم منگوائے اور انہیں دیکھا کہ کس زمانے کے یہ ڈھلے ہوئے ہیں، ٹکسال کا جو سن ان سکوں پر تھا وہ بہت قریبی زمانے کا تھا، کوئی دو برس پہلے کا درہم تھا کوئی تین سال پہلے کا۔ چنانچہ قاضی صاحب نے فیصلہ کیا کہ شاہد مدعی کو دینار ادا کردے اور شہر میں یہ منادی کرادے کہ یہ شاہد صاحب خائن اور دھوکے باز ہے اور ان شاہد صاحب کے پورے تعارف وولدیت کے ساتھ یہ اعلان کرادیا کہ قاضی صاحب نے ان کی شہادت کو ناقابل اعتبار قرار دے دیا، لوگ اس کے دھوکے میں نہ آئیں، یہ منادی ہوتے ہی وہ شاہد ایسا شرمندہ ہوا کہ اپنی جائداد فروخت کرکے وہاں سے اس طرح غائب ہوا، جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ اسلامی عہد میں جو لوگ ثقہ، امانت دار اور قابل اعتماد سمجھے جاتے تھے، انہیں شاہد کا لقب دیا جاتا تھا اور عدالتوں میں ان کی گواہی معتبر سمجھی جاتی تھی اور لوگ ان کے پاس امانتیں وغیرہ رکھوایا کرتے تھے، مگر انہی میں کچھ حیلہ باز بھی ہوتے تھے جن کا مکروہ حیلہ جلد ظاہر ہوجاتا تھا۔

حضرت امام ابو یوسفؒ کی خوش طبعی: ایک بار خلیفہ ہارون رشید نے حضرت امام ابو یوسفؒ سے پوچھا کہ دو عمدہ قسم کی ٹھنڈائیوں فالودہ اور نوزینہ میں سے آپ کا فیصلہ کس کے حق میں ہوگا، کون سی چیز بہتر ہے، ابو یوسف نے فرمایا: ''امیر المومنین! عدالت میں جب تک فریقین حاضر نہ ہوں میں کوئی فیصلہ کرنے سے معذور ہوں'' خلیفہ ہارون رشید نے فالودہ اور نوزینہ دونوں کی دونوں خادم سی منگواکر امام ابو یوسف کے سامنے رکھوادیں، امام صاحب نے دونوں میں سے چکھنا شروع کیا تو دونوں پیالوں میں سے آدھا کھالیا، خلیفہ نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا تو امام ابو یوسف نے کہا کہ امیر المومنین میں نے اب تک اس طرح جم کر لڑنے والے دو حریف نہیں دیکھے کہ جب میں نے ایک کے حق میں رائے قائم کرنا چاہی تو فوراً دوسرے فریق نے اپنی دلیل پیش کردی۔

حضرت حذیفہ بن یمانؓ کی جنگی تدابیر: کعب القرظی سے منقول ہے کہ ایک جوان آدمی نے حضرت حذیفہ بن الیمان سے پوچھا کہ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھے یہ سعادت ملی ہے، اس شخص نے قسم کھاکر کہا کہ اگر ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میسر آجاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس درجہ خدمت کرتے کہ آپ کو زمین پر پاؤں رکھنے کی ضرورت پیش نہ آتی، اس پر حضرت حذیفہؓ نے واقعہ سنایا کہ جب ہم جنگ احزاب میں خندق کھودنے میں لگے ہوئے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طلب فرمایا اور یہ حکم دیا کہ تم قریش کے لشکر میں جاگھسو اور ان کی تیاری کا جائزہ لو۔ چنانچہ میں قریشیوں میں جاپہنچا، اس وقت ہوا کا طوفان بھی خدائی لشکر بن کر دشمنوں کی صف میں غضب ڈھا رہا تھا، چڑھی ہوئی ہانڈیاں الٹ گئیں، چولھوں میں آگ نہ رہی، ہانڈیوں میں پانی نہ رہا، اس حالت کو دیکھ کر ابوسفیان بن حرب نے کھڑے ہوکر پکارا کہ اے قریشیو! خبردار ہوجاؤ، ہر شخص اپنے برابر والے کو اچھی طرح دیکھے کون ہے؟ حذیفہؓ کا بیان ہے کہ میں نے یہ سنتے ہی اپنے پاس والے کا ہاتھ پکڑ لیا تاکہ وہ پہلے میرا ہاتھ نہ پکڑ کر مجھ سے ہی سوال نہ کر بیٹھے اور اس سے پوچھا کہ تو کون شخص ہے؟ تب اس نے اپنا حسب نسب بتایا۔

دو بیویوں میں باہم عدل قائم کرنے کا دلچسپ واقعہ: ابن السنوی کا واقعہ ہے کہ ان کا ایک ہمسایہ کسی مسجد میں امام تھا، وہ ایک سفارش کے لئے ان کے پاس آیا، ان کے سامنے ایک پلیٹ میں شکر پارے رکھے ہوئے تھے، انہوں نے امام صاحب سے کہا کہ لیجئے کھایئے، امام صاحب کچھ سوچ میں پڑ گئے، ابن السنوی نے کہا میں سمجھ گیا آپ کس سوچ میں ہیں، شاید آپ کا خیال ہے کہ بھلا ابن السنوی کے پاس حلال چیز کہاں ہوگی، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس سے زیادہ حلال چیز آپ نے کبھی کھائی بھی نہ ہوگی، اسے کھایئے اس پر امام نے بطور مذاق کہا کہ ایسی حلال چیز آپ کے پاس کیسے آگئی جس میں کوئی شبہ تک نہ ہو۔ ابن السنوی نے کہا کہ اگر میں نے اس کی اصلیت بتادی تو تب آپ اسے کھائیں گے، امام صاحب نے وعدہ کیا، تو انہوں نے بتایا کہ کچھ دن پہلے کی بات ہے کہ رات کے وقت کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، میں اندر تھا، باندی نے پوچھا کون؟ جواب ملا کہ ایک عورت ہے جو اندر آنا چاہتی ہے، اس کو اجازت دے دی گئی تو آکر میرے قدموں میں گرگئی اور انہیں چومنے لگی، میں نے پوچھا تو کس ضرورت سے آئی ہے؟ اس نے بتایا کہ میرے شوہر نے دوسری بیوی کرلی جب کہ اس شوہر سے میری دو بچیاں ہیں، ایک بارہویں سال میں ہے، دوسری چودہویں سال میں، مگر شوہر گھر نہیں آتا، بچے باپ سے ملنا چاہتے ہیں اور ان کی وجہ سے میں بہت بے چین ہوں اور دل تڑپتا ہے، میرا منشاء یہ ہے کہ وہ میری اور نئی بیوی کی باری تقسیم کردے، ایک شب اس کے پاس گزارے اور ایک شب میرے پاس، میں نے اس عورت سے پوچھا کہ تیرا شوہر کرتا کیا ہے؟ اس نے کہا کہ نان بائی ہے، تب میں نے اس کی دکان کا پتہ معلوم کیا تو اس نے بتایا کہ کرخ محلے میں اور پھر اس کا نام بھی بتایا، پھر اس عورت نے اپنے باپ کا نشان پتہ بتایا، پھر میں نے اس کی بیٹیوں کے نام دریافت کیے، یہ ساری تفصیل پوچھ کر میں نے اس عورت سے کہا کہ تو بے فکر رہ، ان شاء اللہ میں تیرے شوہر کو تیرے پاس بھیجدوں گا، تب اس عورت نے ایک پگڑی دی کہ اس کا سوت میں نے اور میری لڑکیوں نے کاتا ہے تو اس کا استعمال آپ کے لیے حلال ہے، میں نے کہا کہ اسے اب تم لے جاؤ، چنانچہ وہ چلی گئی۔ اس کے بعد میں نے دو سپاہی بھیج کر اس کے خاوند کو بلوایا، وہ سپاہی اسے لے کر آئے تو نان بائی کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، اس کی یہ کیفیت دیکھ کر میں نے کہا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے، بلانے کا مقصد تو تم سے سفر کے لئے دو من آٹے کی روٹیاں پکوانا ہے، اس کی اجرت بھی تمہیں مل جائے گی، یہ سن کر ذرا اس نے چین کا سانس لیا اور کہا کہ روٹیاں تو میں ضرور پکادوں گا، مگر مجھے اجرت نہیں چاہئے، میں نے کہا، اجرت کیوں نہیں چاہئے؟ دوست ہی اگر نقصان پہنچائے تو اس سے بڑا دشمن کون ہوگا؟ تم ہمارے خاص لوگوں میں ہو، تمہاری بیوی جس کا نام ہے ہماری چچازاد بہن ہے، پھر اس کی لڑکیوں کے نام لے کر میں نے اس کی خیریت پوچھی تو اس نے کہا، جی ہاں، اللہ کا شکر ہے، سب خیریت سے ہیں، تب میں نے کہا کہ تم خود ہی سمجھدار آدمی ہو، لہذا میرا یہ کہنا غیرضروری سا ہے کہ ان متعلقین کی دلداری میں کوئی کوتاہی نہ ہو۔ اس پر نان بائی نے اس بات کا وعدہ کرتے ہوئے میرے ہاتھ چومے، میں نے کہا، تو اچھا، اب دکان پر جاؤ تمہیں کسی قسم کی ضرورت ہو تو بے کھٹکے ہمارے پاس چلے آنا۔

جس رات یہ قصہ پیش آیا اس کو کئی دن گزر گئے تو آج کی رات اس نانبائی کی بیوی جو شکایت میرے پاس لے کر آئی تھی، میرے مکان میں آئی اور شکر پاروں کا یہ طباق پیش کیا اور قسم دی کہ اسے واپس نہ کروں، اس نے بتایا کہ اب وہ اور اس کے بچے نہایت سکون واطمینان سے ہیں، یعنی اس کے شوہر نے اس کے یہاں آمد ورفت شروع کردی اور اس کی ضرورت کا خیال رکھنے لگا، پھر وہ کہنے لگی واللہ میں نے اپنے کاتے ہوئے سوت کو بیچ کر اس کی قیمت سے یہ شکر پارے بنائے ہیں، تب میں نے اس کا ہدیہ قبول کرلیا، اب کہیے کہ یہ حلال ہے یا نہیں؟ امام صاحب نے کہا، خدا کی قسم اس سے بڑھ کر حلال کھانا اور کیا ہوگا؟ ابن السنوی نے کہا تو پھر بے تکلف کھایئے، چنانچہ پھر انہوں نے اور امام صاحب نے یہ شکر پارے کھائے۔

وحدت واجتماعیت کا اسلامی تصور

یاسر ندیم دیوبندی

مختلف انسانی طبقات کے درمیان اتحاد کا تصور انسانیت کے لئے اسلام کا ایک بڑا عطیہ ہے، جہاں عقیدۂ توحید نے دلوں کی دوریاں ختم کیں، وہیں اتحاد کے اس تصور نے قوموں کے درمیان پائی جانے والی خلیج کو پاٹنے میں ایک اہم کردارادا کیا،لوگ ایک دوسرے کے قریب ہوئے اورامن وسلامتی کا دوردورہ ہوا۔

انسانی معاشرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے طبقاتی امتیاز سے دوچار تھا، دوطبقوں کے درمیان اتنا ہی فرق تھا، جتنا کہ انسان وحیوان میں فرق ہے، ان میں غلام اورآقا کے درمیان پائی جانے والی دوری اور زمین وآسمان کے درمیان پائے جانے والی مسافت تھی، دنیا اتحاد اور بھائی چارگی کے معنی سے واقف نہیں تھی۔

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیوں کی خاموشی کو توڑا اور دلوں کو جھنجھوڑ دینے والا اور کایا کو پلٹ کر رکھ دینے والا اعلان فرمایا:''ایها الناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد کلکم لاٰدم، وآدم من تراب وان اکرمکم عند اللہ اتقاکم، ولیس للعربی علی العجمیّ فضل الا بالتقویٰ''

اے لوگوں تمہارا رب ایک ہے،تمہارا باپ ایک ہے تم سب آدم علیہ السلام کی اولادہو اورآدم علیہ السلام کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے،تم میں سب سے معزز تم میں کا سب سے متقی ہے،کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے،سوائے تقویٰ کے۔

مولانا علی میاں ندویؒ فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث دو باتوں پر مشتمل ہے، جو امن قائم کرنے کے سلسلے میں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں، ایک وحدۃ الرب، دوسری وحدۃ الأب، ہر زمانے اور ہر جگہ پر انہیں دونوں باتوں پر امن قائم ہوا ہے، کیونکہ انسان دوسرے کا بھائی بن جاتا ہے جب کہ ان کا رب ایک ہو اور ان کا باپ ایک ہو'(۴۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''اے لوگوں!اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اوراسی خاندان سے اس کا جوڑا پیدا کیا اوران دونوں سے بہت سے مرد اورعورتیں پھیلائیں اورتم خدا تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے مطالبہ کرتے ہو اور قرابت سے بھی ڈرو، بالیقین اللہ تعالیٰ تم سب کی اطلاع رکھتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد باری ہے:''اے لوگوں! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اورتم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا، تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرسکو اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:''اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی عصبیت اورآباواجداد پر فخر کو دور کردیا ہے،اب انسان یا تو مومن متقی ہوگا یا بدبخت وفاجر ہوگا،سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اورآدم مٹی سے پیدا کیا گیا ہے،کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے،سوائے تقویٰ کے ذریعہ۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام کا پیغام روز اول سے عام ہے، وہ کسی خاص وصف، خاص نوع، خاص جنس، خاص زبان، متعین قوم اور مخصوص ملک کیلئے نہیں ہے،اس پیغام کے سامنے بادشاہ اور رعایا سب برابر ہیں، اسلام اس یہودیت کی طرح نہیں ہے جس میں صرف ایک خاندان (بنولادی) کو بے حساب حقوق حاصل ہوں، جبکہ دیگر خاندان ان سے یکسر محروم رہیں، بلکہ اسلامی تاریخ میں ایسے بہت سے واقعات ہیں، جن میں ہم خلیفہ اورایک عام آدمی کو ایک ساتھ کٹہرے میں کھڑے ہوتے دیکھتے ہیں اور قاضی خلیفہ کے خلاف فیصلہ سنادیتا ہے، چنانچہ حضرت عمر بن الخطابؓ اورایک دیہاتی کے درمیان یہ واقعہ پیش آیا کہ امیر المومنین نے اس سے ایک گھوڑا خریدا لیکن تھوڑی دیر بعد گھوڑے میں آپؓ کو ایک عیب نظر آیا، جس کی وجہ سے گھوڑا چلنے پر قادر نہ رہا، حضرت عمرؓ اس گھوڑے کو مالک کے پاس لے گئے، لیکن اس نے واپس لینے سے انکار کردیا اور کہنے لگا کہ اے امیر المومنین! میں یہ واپس نہیں لوں گا، میں نے آپ کو صحیح سالم فروخت کیا تھا، قاضی شریح کی عدالت میں مقدمہ گیا تو قاضی شریح نے پورا واقعہ سننے کے بعد تاریخ ساز فیصلہ سنایا اور کہا کہ اے امیر المومنین جو خرید لیا اسے اپنے پاس رکھئے یا جیسا لیا تھا ویسا ہی واپس کردیجئے، قاضی شریح کا یہ فیصلہ سنہرے حروف سے لکھنے کے قابل ہے، کیوں کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت میں حاکم اور محکوم کے درمیان بھی وحدت کا تصور قائم ہے۔

جی ہاں، یہ ضرور ہے کہ شریعت اسلامیہ نے لوگوں کے درمیان فریق کو ملحوظ رکھا ہے، لیکن معیار تقویٰ رکھا، اسلام کا یہ نظریہ اس کے روشن چہرے کو کھولتا ہے اوراسی بات کا پتہ دیتا ہے کہ اسلام دین فطرت ہے، یہ کہ وہ انسانی عادت کے مطابق نازل ہونے والے احکامات کا مجموعہ ہے، اس عظیم میں کسی بھی انسان کو کسی خصوصیت کی بناء پر تو فوقیت مل سکتی ہے، لیکن وہی امتیازات کی بنا پر نہیں، حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''اگر علم ثریّا پر بھی ہوتا تو اہل فارس کے کچھ لوگ وہاں سے بھی حاصل کرلیں گے۔

چنانچہ عربوں نے شروع ہی سے علوم شرعیہ میں لوہا منوانے والے عجمی علماء کا استقبال کیا، ان کی علمی مہارت کے سامنے سرنگوں ہوگئے، ان کی علمی قیادت کا اعتراف کیا اوران کو ایسے ایسے القاب سے یاد کیا جو عرب علماء کو بھی نہیں دئے گئے تھے، چنانچہ انہوں نے امام محمد بن اسماعیل بخاری (المتوفی ۲۵۶ھ) کو امیر المومنین فی الحدیث کا لقب دیا، ابوالمعالی عبد الملک الجوینی نیشاپوری (المتوفی ۴۶۸ھ) کو امام الحرمین کا لقب دیا، ابوحامد محمد بن محمد الغزالی طوسی (المتوفی ۵۰۵ھ) کو حجۃ الاسلام کے لقب سے یاد کیا، اسلامی شہروں میں عجمی علماء مسلمانوں کے قائد اور علمی مرجع بن گئے، اسلام کے عہد زریں میں ہی جب کہ عرب منصب خلافت پر فائز تھے، ان علماء کو وقیع نظر سے دیکھا جانے لگا۔

علامہ عبدالرحمان ابن خلدون مغربی لکھتے ہیں:''یہ ایک تعجب انگیز تاریخی حقیقت ہے کہ مملکت اسلامیہ میں علوم شرعیہ وعلوم عقلیہ کے اکثر حاملین اہل عجم ہی رہے ہیں اور عربوں کا اس پر اتفاق بہت کم ہوا، حالانکہ یہ ملت عربی ہے اور صاحب شریعت بھی عربی ہیں، چنانچہ نحو میں سیبویہ ان کے بعد بوعلی فارسی، اوران کے بعد الزجاج یہ سب عجمی زادہ تھے، اسی طرح اصول حدیث، اصول فقہ، علم کلام کے ماہرین اور اکثر مفسرین بھی عجمی تھے اور عجمیوں نے ہی علم کی حفاظت اوراس کی تدوین کا بیڑا اٹھایا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی علوم کا سہرا عجمیوں کے سر ہے اور دینی علوم کی نشر واشاعت اور ترویج میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے، اگر اسلام تفاوت کا قائل ہوتا، مسلمان مختلف طبقات میں منقسم ہوتے تو دنیا مختلف علوم وفنون سے بہرہ ور نہ ہوتی اور سمندر کی گہرائیوں سے اہل عجم کے ہاتھوں چنے ہوئے موتیوں سے فیضیاب نہ ہوتی۔

اسلام کا معاشرتی نظام

اسلام وہ عالمی دین ہے جس نے صدیوں بعد انصاف پروری اور طبقاتی نظام کے خاتمے کی سمت قدم بڑھایا ہے اوراس قدیم مرض کو ملت کے جسم سے نکال دیا، نتیجۃً دلوں کی دوریاں قرابتوں میں بدلیں، تعلقات میں استواری آئی اور مسلمان ایک جسم کی طرح ہوگئے، جس کے اعضاء ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں، اوراس دیوار کی طرح ہوگئے جس کی اینٹیں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہوتی ہیں، اسی کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عظیم معاشرتی نظام قائم کیا اور ہر مسلمان کو اس نظام کا اٹوٹ حصہ قرار دیا، تاکہ لوگ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوں، غم کے موقع پر ایک دوسرے کا ساتھ دیں اور دوسرے کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نظام اس وجہ سے بھی قائم کیا تاکہ مسلمان دنیا کے سامنے آپسی اتحاد کی نظیر پیش کریں، اپنے دشمنوں کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوں، اور پناہ کے طلبگاروں کے لئے سایۂ رحمت، ظالم کے ہاتھوں کو تھامیں اور مظلوم کی مدد کریں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے درمیان اخوت قائم کی اوران میں اس بات کا احساس پیدا کیا کہ وہ ایک دوسرے کے بھائی اور ایک عظیم انسانی خاندان کے ممبر ہیں، ان میں یہ شعور اجاگر کیا کہ ان کے ذمے دوسروں کے کچھ حقوق ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''انّما المومنون اخوۃ'' مسلمان تو سب بھائی بھائی ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:''وان هٰذه امتكم أمة واحدة'' اور یہ ہے تمہارا طریقہ اور وہ ایک ہی طریقہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''مومن محبت کرتا ہے اوراس سے محبت کی جاتی ہے، اس شخص میں کوئی بھلائی نہیں ہے، جو نہ محبت کرے اور نہ ہی اس سے محبت کی جائے۔ ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:''جیسے ہی کوئی بندہ دینی بھائی بناتا ہے اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لئے درجات پیدا کردیتے ہیں۔

کسی بھی صالح معاشرے کی تعمیر اوراس کے اجزاء کے درمیان ہم آہنگی کیلئے اجتماعیت اتنی ہی زیادہ ضروری ہے، جتنا ضروری انسانی جسم میں دوڑتا ہوا خون، اتحاد ہی قوموں کی ترقی کا راز ہے اور اتحاد ہی کے بغیر امتوں میں اضمحلال پیدا ہوتا ہے، سابقہ امتوں کے روئے زمین سے مٹ جانے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ان میں اتفاق نہیں تھا، وہ لوگ ایک رخ پر نہیں بہتے تھے، بلکہ کسی کی منزل الگ تو کسی کا مقصد جدا، لیکن اسلام نے جہاں عقیدہ توحید کے ذریعہ ایک محور عطا کیا اور لوگوں کو اخوت کا درس دیا، وہیں اجتماعیت کی تعلیم دے کر اخوت کو دوام بخش دیا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:''اور مضبوط پکڑے رہو، اللہ تعالیٰ کی رسی کو اس طور پر کہ تم سب باہم متفق رہو۔

دوسری جگہ ارشاد باری ہے:''اورتم لوگ ان لوگوں کی طرح مت ہوجانا، جنھوں نے باہم تفریق کرلی اور باہم اختلاف کیا، ان کے پاس آیات واضحہ پہنچنے کے بعد اوران لوگوں کے لئے سزائے عظیم ہوگی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''آپ مومنین کو ایک دوسرے پر رحم کرنے اور ایک دوسرے پر مہربانی کرنے میں ایک جسم کی طرح پائیں گے کہ جب ایک عضو بیمار ہوتا ہے تو سارا جسم جاگ کر اور بیمار ہوکر اس کا ساتھ دیتا ہے۔

عدل وانصاف اسلام سے پہلے رخصت ہوچکا تھا اور ایک غیر مانوس چیز بن گیا تھا، امیروں اور اونچے عہدیداروں کو قانون میں مراعات حاصل تھیں، جب کہ غریب اور دوسرے درجے کے لوگ اس سے محروم تھے، عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ''یہود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اورانہوں نے ایک زانی اور ایک زانیہ کے بارے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تورات میں کیا حکم ہے؟ رجم کا حکم ہے؟ انہوں نے کہا کہ رسوا کرنے اور کوڑے مارنے کا حکم ہے، عبداللہ ابن سلام بول اٹھے کہ آپ کیا بول رہے ہیں؟ تورات میں رجم کا حکم ہے، وہ یہودی تورات لائے اور وہ مقام کھولا ان میں سے ایک نے آیت رجم پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور آگے پیچھے کا پڑھ دیا، عبداللہ بن سلام نے ارشاد فرمایا کہ اپنا ہاتھ ہٹا جب اس نے اپنا ہاتھ ہٹایا تو آیت رجم نکلی تو یہودی کہنے لگے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے سچ کہا اس میں تو آیت رجم ہے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رجم کرنے کا حکم دیدیا''۔

لیکن اسلام نے عدل وانصاف قائم کیا اور معاشرے کے اس پہلو پر بھی زور دیا اور سابقہ امتوں کی بنائی ہوئی امتیاز کی دیوار کو ریزہ ریزہ کردیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''انصاف پرور اللہ کے نزدیک اس کے دائیں جانب نور کے منبروں پر ہوں گے اور اللہ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں، وہ لوگ جو اپنے فیصلوں اپنے گھر والوں اور جن کے ولی بنائے گئے ہیں ان کے بارے میں عدل کرتے ہیں۔

قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے محبوب اور سب سے قریب بیٹھنے والا انصاف پرور امام ہوگا اور قیامت میں اللہ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ اور سخت عذاب میں مبتلا ظالم امام ہوگا۔

اسی طرح دور جاہلیت میں نہ جان محفوظ تھی اور نہ ہی مال، کسی کو معلوم نہیں تھا کہ اسکو کب قتل کردیا جائے اور کب اس کی پوری زندگی کی محنت اور ساری عمر کی پونجی لوٹ لی جائے، ہزاروں لوگوں کی زندگی اپنے جیسے لوگوں کی رضا اور خوشنودی پر منحصر تھی جس کا چاہے خون بہادیا جاتا تھا اور جس کا چاہے مال غصب کرلیا جاتا تھا، اسلام نے اس شیطانی بالادستی کا بھی خاتمہ کیا اور انسان کو دوسرے کی جان کی حرمت کا درس دیا، تاکہ معاشرے کا ہر فرد اطمینان وسکون کی زندگی گذار سکے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''تمہاری جانیں اور تمہارے اموال تم پر حرام ہیں جیسے کہ تمہارے اس دن کی حرمت اس مہینے کی حرمت اس شہر میں۔

اوراس طرح اسلام نے ان تمام تعلیمات کے ذریعہ معاشرے کو ہر قسم کی برائی سے محفوظ کردیا اور ایک بے نظیر وصالح معاشرے کی تعمیر کی۔

اسلام کے قانون وراثت کو فروغ دیجئے

محمد عابد کریم ندوی

اسلام کے عادلانہ نظام میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی وہ حقوق عطا کیے گئے ہیں جو کسی دوسرے ادیان و قوانین میں نہیں دیئے گئے ہیں، ان حقوق میں ایک قسم ترکہ ومیراث میں تقسیم ہے، جس کے نفاذ کی ذمہ داری زندہ لوگوں پر ڈالی گئی ہے، اسلام کے منصفانہ نظام میں ترکہ ومیراث کی تقسیم تمام اسلامی قوانین کی طرح بے حد متوازن، عادلانہ اور قرآنی والٰہی قانون واصول پر قائم ہے۔

اسلامی قوانین میراث کے متوازن اور عادلانہ ہونے کا اندازہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ اس کا کسی دوسرے ادیان وقوانین کے نظام ہائے ترکہ سے موازنہ کیا جائے۔

اسلامی وراثت اور دیگر امم: اسلامی وراثت نے جہاں میراث کے مسئلہ کی اصلاح کی، وہاں اس نے ضابطے بھی بیان کئے جن سے وارثوں کا جائز حق محفوظ ہوگیا۔ اسلام سے پہلے کے مذاہب اور دنیا کے قوانین میں بے اعتدالی تھی کہ کہیں عورتوں اور لڑکیوں کا حق ہی تسلیم نہیں کیا جاتا تھا جیسے ہندو دھرم شاستر میں بقول البیرونی ''وراثت کے اصل حقدار مرد ہیں'' آج تک یہ تصور قائم ہے کہ بیٹی کی شادی کے بعد گویا داماد ہی اس کا مالک ہے، اس کا اپنے آبائی خاندان سے صرف اخلاقی رشتہ باقی ہے، اس کی کوئی ذمہ داری خاندان سے متعلق نہیں سمجھی جاتی ہے، اس لئے باپ یہ سوچتا ہے کہ بیٹی کو جب میراث میں کچھ ملنے والا نہیں ہے تو بوقت رخصت کچھ دے کر ہی رخصت کرتے ہیں، عیسائیت میں تو سرے سے ہی شریعت نہیں پھر وراثت کے مسائل کہاں سے آتے۔ [فی ظلال القرآن، سید قطب شہید: 88/4] یہودیوں کے یہاں صرف بڑا لڑکا اکیلا وارث سمجھا جاتا تھا، عربوں میں لڑکیوں کا کچھ حق ہی نہیں تھا، اس لئے کہ ان سے کوئی مالی اور جنگی منفعت حاصل نہیں ہوتی جیسا کہ جاہلیت میں خیال تھا، قرآن نے اسے غلط قرار دیا اور کہا کہ نفع ونقصان کو خدا ہی بہتر جانتا ہے: ''تم پورے طور پر نہیں جان سکتے ہو کہ ان میں کا کون سا شخص تم کو نفع پہنچانے میں نزدیک تر ہے'' (النساء: 11) قرآن حکیم نے حقِ وراثت کی تاکید کی کہ جہاں وراثت میں مردوں کا حصہ ہے، وہیں عورتوں کا بھی ہے، میراث کم ہو یا زیادہ، زرعی ہو یا غیر زرعی آراضی، آبائی ہو یا غیر آبائی، کاروبار ہو یا تجارت، دوکان ہو یا گھر، سونا چاندی ہو یا نقد رقم ''مردوں کے لئے حصہ ہے، اور عورتوں کے لئے بھی حصہ ہے، اس چیز میں جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جاویں، خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو حصہ قطعی'' (النساء: 7) یورپ میں انیسویں صدی کے آخر تک عورتوں کو میراث میں کوئی حق نہیں ملتا تھا، ہمارے ملک ہندوستان میں The Hindu Marriage Act, 1955 بنا اور ہندوؤں کے لئے خاندانی قوانین مرتب ہوئے، اس میں پہلی بار عورتوں کو حق میراث دیا گیا، جبکہ مذہب اسلام نے ساڑھے چودہ سو سال پہلے ہی عورتوں کو میراث کا حق دے رکھا ہے۔

لڑکی کا وراثت میں حصہ: علم الفرائض کی اصطلاح میں ذوی الفروض جن کے حصے باضابطہ مقرر اور متعین ہیں جن کو کاٹا نہیں جاسکتا ہے، ان میں چھ (6) مرد اور سترہ (17) عورتیں ہیں، دو تہائی (2/3) حصہ چار (4) حالتوں میں عورت کو ملتا ہے، نصف (1/2) حصہ بھی چار (4) حالتوں میں عورت کو ملتا ہے، ایک تہائی (1/3) حصہ دو (2) قسم کی خواتین کو ملتا ہے، چوتھائی (1/4) ایک (1) طرح کی خواتین کو ملتا ہے، چھٹا (1/6) حصہ پانچ (5) طرح کی خواتین کو ملتا ہے۔ آٹھواں (1/8) حصہ یہ بھی ایک (1) طرح کی خواتین کو ملتا ہے۔

عورت اور مرد کے حصوں میں فرق: تقسیم ترکہ میں چند ایسی صورتیں ہیں کہ عورت کو حصہ ملتا ہے اور اسی درجہ کے مرد رشتہ داروں کو حصہ نہیں ملتا ہے، مثال کے طور پر ایک عورت کا انتقال ہوا، اس کے شوہر، ماں، باپ، بیٹی، پوتے اور پوتیاں ہیں، اس صورت میں پوتے اور پوتی دونوں برابر کے رشتے دار ہیں، اس صورت میں پوتی کو چھٹا (1/6) حصہ ملے گا اور پوتے کو کچھ نہیں ملے گا۔

متعدد ایسی صورتیں ہیں جن میں عورت کا حصہ مرد سے بڑھ جاتا ہے، مثلاً ایک عورت کا انتقال ہوا، اس کے شوہر، ماں، باپ، اور دو بیٹیاں ہیں بالفرض اس نے ساٹھ (60) لاکھ ترکہ چھوڑا، تقسیم ترکہ میں دونوں بیٹیوں کو فی کس سولہ (16) لاکھ روپے ملیں گے، دونوں بیٹیوں کا حصہ بتیس (32) لاکھ روپے ہوگیا، اٹھائیس (28) لاکھ میں اس کے ماں، باپ اور شوہر کو حصہ ملے گا۔

بہت سی صورتیں ایسی ہیں جن میں عورت اور مرد کا حصہ برابر ہوتا ہے، زید کا انتقال ہوا، اس کے بیٹے، ماں اور باپ ہیں، ماں کو بھی چھٹا (1/6) حصہ اور باپ کو بھی چھٹا (1/6) حصہ ملے گا۔

ایسی صورتیں ضرور ہیں جن میں عورت کا حصہ مرد کے مقابلے میں نصف ہو جاتا ہے جیسے بیٹے کے مقابلہ میں بیٹی کا حصہ نصف ہے، بیوی کے انتقال پر مرد کو جتنا حصہ ملتا ہے، شوہر کے انتقال پر بیوی کو اس کا نصف ملتا ہے، اسی طرح بعض دفعہ مرنے والے کے باپ کے مقابلہ میں مرنے والے کی ماں کا حصہ کم ہوتا ہے۔

فرق کے اسباب: اسلام سے پہلے کسی مذہب میں عورتوں کو حقِ میراث نہیں ملتا تھا، اسلام نے سب سے پہلے عورتوں کو حقِ میراث دیا ہے، اسلام میں عورت کے مقابلہ میں مرد کا حصہ میراث میں زیادہ رکھا گیا ہے، لیکن یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ ہر جگہ ایسا ہی ہو، بلکہ ایسی صورتیں بھی ہیں کہ جن میں عورت کو حصہ ملتا ہے اسی درجہ کے مرد رشتہ دار کو حصہ نہیں ملتا ہے، عورت کو اپنے ہم مرتبہ رشتہ دار سے زیادہ مل جاتا ہے، عورت کو اپنے ہم مرتبہ رشتہ دار کے برابر مل جاتا ہے تو اس لیے اِس غلط فہمی میں نہیں رہنا چاہیے کہ مرد کا حقِ میراث ہمیشہ ڈبل ہوتا ہے اور اس کے مقابلہ میں عورت کا آدھا ہوتا ہے۔

شریعت نے بعض صورتوں میں لڑکے کا حقِ میراث دُہرا رکھا ہے اور لڑکی کا اس کے مقابلہ میں آدھا رکھا ہے، یہ لڑکا اور لڑکی ہونے کی بنیاد پر نہیں ہے، نہ ہی اسلام میں عورت کو حقارت کی نظر سے دیکھا گیا ہے اور نہ ہی مرد کو زیادہ عزت دی گئی ہے، شریعت کا یہ اصول ہے اور اسے پوری دنیا میں کامن جسٹس (Common Justice) کا درجہ بھی حاصل ہے کہ صلاحیت کے اعتبار سے ذمہ داریاں ہوں گی اور ذمہ داریوں کے اعتبار سے حقوق اور Rights ہوں گے، اس لئے ایک کی ذمہ داریاں زیادہ ہوں اور دوسرے کے حقوق زیادہ ہوں، یہ ممکن نہیں ہے، مثال کے طور پر شریعت نے کمانے کی ذمہ داری مرد پر رکھی ہے عورت پر نہیں، اگر ایک شخص کا بالغ لڑکا بھی ہے اور بالغ لڑکی بھی ہے، وہ اپنے لڑکے کو کمانے پر مجبور کرسکتا ہے، لیکن وہ اپنی بیٹی کو کمانے پر مجبور نہیں کرسکتا ہے، بیٹی کے اندر کمانے کی صلاحیت ہے مثلاً وہ ایک کامیاب ڈاکٹر ہے اور اچھی طرح کما سکتی ہے، تب بھی باپ اس کو مجبور نہیں کرسکتا ہے، یہ ذمہ داری شریعت نے مرد پر رکھی ہے، زید اور ہندہ کا نکاح ہوا، زید گھر پر بیٹھا رہتا ہے، تو ہندہ اپنے شوہر کو مجبور کرسکتی ہے کہ کماؤ اور گھر کی ضروریات پوری کرو، ہندہ میں چاہے کمانے کی پوری صلاحیت کیوں نہ ہو پھر بھی زید اپنی بیوی کو اس پر مجبور نہیں کرسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مرد کو جسمانی اعتبار سے بمقابلۂ عورت زیادہ طاقتور بنایا ہے، وہ زیادہ مشقتوں کو برداشت کرسکتا ہے، عورتوں کے ساتھ فطری عوارض آتے ہیں، ہر مہینے حیض کے ایام آتے ہیں، ان میں وہ جسمانی طور پر کمزور ہوتی ہیں، مزاج میں جھنجلاہٹ آجاتی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے مرد کو اس مجبوری سے دور رکھا ہے تاکہ وہ دوسرے فرائض ادا کرسکے، اسی طرح بیٹا ملازمت کے سلسلے میں تنہا دیگر مقامات میں قیام پذیر ہوسکتا ہے، لیکن بیٹی تنہا ایسا نہیں کرسکتی ہے، اللہ تعالیٰ نے مرد پر اپنا، بیوی، بال بچے، ماں اور باپ کا نفقہ بوقت ضرورت مطلقہ اور بیوہ بہنوں کا نفقہ، یتیم بھائیوں کی تعلیم اور اس کے اخراجات اور گھر میں بوڑھے دادا، دادی ہوں تو ان کی ضروریات پوری کرنے کی ذمہ داری رکھی ہے اور مرد میں اس کی صلاحیت بھی زیادہ ہے، اللہ تعالیٰ نے عورتوں میں گھر سنبھالنے کی صلاحیت زیادہ رکھی ہے، عورتوں کی ذمہ داریاں مرد کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہیں، اس لئے مردوں کا حق زیادہ رکھا گیا ہے، یہ انصاف کے تقاضے کے مطابق ہے، اسی وجہ سے باپ کی اہمیت زیادہ ہونے کے باوجود بیٹے پر ذمہ داری زیادہ ہونے کی بنیاد پر بیٹے کو ترکہ میں زیادہ حصہ دیا جاتا ہے، مثلاً زید کا انتقال ہوا، اس کے بیٹے بھی ہیں اور والد بھی ہیں، اب زید کی جائداد تقسیم ہوتی تو زید کے والد کا حصہ زیادہ ہونا چاہئے، کیوں کہ اس کی اہمیت زیادہ ہے، اس لئے کہ زید کی جنت و دوزخ ان کے والد سے متعلق ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: **أنت و مالک لأبیک**، اسی حدیث کی بنیاد پر بیٹے کا مال چھپا کر لینے پر چوری کی سزا جاری نہیں ہوتی ہے، لیکن یہاں شریعت یہ کہتی ہے کہ مرنے والے کے بیٹے کا حصہ زیادہ ہوگا، مرنے والے کے باپ کے حصہ کے مقابلہ میں، اس لئے کہ وہ باپ جس کے بیٹے کا انتقال ہوا ہے، وہ باپ پوتے، پوتیوں، نواسے اور نواسیوں والا ہے، وہ بڑی حد تک زندگی کی ذمہ داریوں سے فارغ ہوچکا ہے، وہ بیٹا جس کے باپ کا ابھی انتقال ہوا ہے، اب تک وہ اپنے باپ کے زیر عاطفت زندگی گزار رہا تھا، اب وہ ذمہ داریوں میں قدم رکھ رہا ہے اس کو اپنی ماں کی پرورش کرنی ہے، کچھ نابالغ بھائی بہنوں کی تعلیم اور ان کی کفالت کرنی ہوگی، اس لئے بیٹے کی ذمہ داریاں اس وقت زیادہ ہیں اور باپ کی مالی ذمہ داریاں کم ہیں، اس لئے شریعت نے یہاں بیٹے کا حق زیادہ رکھا ہے۔

(مسلم پرسنل لا: چند غلط فہمیاں، ازمولانا خالد سیف اللہ رحمانی)

عورت کو ترکہ کی جو مقدار بھی مل رہی ہے وہ شاید کبھی کسی اتفاقی اور ہنگامی ضرورت میں کام آتی ہو تو آجاتی ہو ورنہ بینک بیلنس بڑھانے کا سبب بنتی ہے، اس لئے یہ سمجھنا بے جا نہ ہوگا کہ شریعت نے ترکہ میں اس کا حصہ مقرر کرکے اس کی محض دلجوئی اور قدر افزائی کی ہے، معاشرے میں اس کا مقام بلند کیا ہے، ورنہ شرعی قوانین پر عمل درآمد کرنے پر لڑکیوں کے سامنے کوئی بھی مرحلہ بعض استثنائی اور مجبوری کی حالتوں کو چھوڑ کر ایسا نہیں آتا جس میں اسے کسی کے نفقہ کا حتیٰ کہ خود اپنے نفقہ کا بھی بار اٹھانا پڑتا ہو، کیوں کہ شادی سے قبل والد یا بھائی وغیرہ پر اور شادی کے بعد شوہر پر طلاق یا شوہر کی وفات کے بعد پھر والد یا دوسرے قریبی رشتہ داروں یا اولاد وغیرہ پر اس کا نفقہ شرعاً لازم ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ جب نکاح کرتی ہے تو شوہر سے مہر بھی لینے کی حقدار بنتی ہے، لہٰذا اب اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی بلکہ بعید نہیں کہ ذہن کے کسی گوشے میں یہ خیال آنے لگے کہ عورت کو ترکہ سے جو مقدار بھی مل رہی ہے غنیمت ہے۔

شیخ علی الصابونی اپنی کتاب ''**المواریث فی الشریعة الاسلامیة**'' میں ایک دلچسپ تمثیل بیان کرتے ہیں، مثلاً ایک شخص نے وفات کے بعد ایک لڑکا اور ایک لڑکی اور مال متروکہ میں تین ہزار روپے چھوڑا، شرعاً لڑکے کو دو ہزار اور لڑکی کو ایک ہزار ترکہ سے ملے، لڑکے نے شادی کی اور بیوی کا مہر دو ہزار مقرر کیا، اس کے برخلاف لڑکی نے شادی کی اور اس کا بھی مہر دو ہزار مقرر ہوا، اور وہ اسے ملا، اس طرح لڑکی کے پاس ترکہ اور مہر کی رقم ملا کر تین ہزار ہوگئے، لڑکے کے پاس جو کچھ تھا مہر میں چلا گیا، اور وہ خالی ہاتھ رہ گیا، اب سوچئے نتیجتاً کس کے پاس رقم زیادہ ہوئی۔

اصلاح معاشرہ اور ہماری ذمہ داریاں: ہندوستانی سماج میں جب تک تمام لوگ ترکہ کی تقسیم پر آمادہ نہیں ہوجاتے ہیں، ترکہ کی تقسیم نہیں ہوتی ہے، اور ایک ذہن پہلے سے یہ بنا ہوا ہے کہ ہماری دولت بیٹی کے واسطے سے دوسرے خاندان میں نہیں جائے، اس تصور کو ختم کرنے کی ضرورت ہے، اس لئے اسلام نے یہ شرط نہیں رکھی کہ دوسرے فریق راضی ہوجائیں تب جاکر ترکہ تقسیم ہوگی، ہر آدمی جس دن اس کے مورث کا انتقال ہوا ہے اسی دن سے ہر وارث اپنے اپنے حصہ کا مالک ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام کے قانونِ میراث کو سماج میں نافذ کیا جائے۔

یہ عصر حاضر کا بڑا نازک اور اہم ترین مسئلہ ہے جس کی وجہ سے جہیز اور لین دین کے فتنے پیدا ہو رہے ہیں، تباہیوں کے بادل منڈلا رہے ہیں، بربادیوں کی بجلیاں کوندرہی ہیں، اور اچھے خاصے بسے بسائے گھر ویران وبرباد ہو رہے ہیں، اس لئے مسلمانوں خصوصاً علماء کو اس عظیم ورثہ کو بچانے کی فکر کرنی چاہئے اور رسم ورواج، تلک، جہیز اور لین سے اجتناب کرکے ترکہ اور وراثت کو فروغ دینا چاہئے۔

اخبار جہاں

محمد عادل فریدی

امریکی تاریخ کا ریکارڈ دفاعی بجٹ منظور

امریکی سینیٹ نے جمعرات کے روز اگلے برس فوج پر خرچ کرنے کے لیے ریکارڈ 858 ارب ڈالر کی منظوری دے دی۔ یہ رقم صدر جو بائیڈن کے تجویز کردہ دفاعی بجٹ کی رقم سے 45 ارب ڈالر زیادہ ہے، جب کہ اس میں فوج کے لیے لازمی کووڈ ویکسین کے مینڈیٹ کو بھی ختم کردیا گیا ہے۔ امریکہ اس وقت نیٹو دفاعی اتحاد میں شامل دیگر 29 ممالک کی جانب سے دفاع پر کیے جانے والے مجموعی اخراجات کا دوگنا سے بھی زیادہ اپنی دفاع پر خرچ کررہا ہے۔ جرمنی نے 50.4 ارب یورو کا دفاعی بجٹ منظور کیا ہے جب کہ اپنی فوج کو جدید بنانے کے لیے 100 ارب یورو کا ایک خصوصی فنڈ بھی مختص کیا ہے۔ بجٹ کی رقم ہتھیاروں، جہازوں اور طیاروں نیز فوجیوں کی تنخواہوں میں 4.6 فیصد کے اضافہ پر خرچ کی جائے گی۔ اس میں لاک ہیڈ مارٹن کے ایف 35 جنگی طیاروں اور جنرل ڈائنامکس کے تیار کردہ جنگی جہازوں کی خریداری بھی شامل ہے۔ چین کے ساتھ بڑھتی ہوئی کشیدگی کے مدنظر تائیوان کو دفاعی امداد کے مد میں اربوں ڈالر الاٹ کیے گئے ہیں تاکہ اس ایشیائی ملک کے لیے ہتھیاروں کے تیز رفتار حصول کو آسان بنایا جاسکے۔ بجٹ میں یوکرین کے لیے اگلے برس 800 ملین ڈالر کی اضافی سکیورٹی امداد بھی شامل ہے۔ اس بل یا نیشنل ڈیفنس آتھرائزیشن ایکٹ کی حمایت میں 83 جبکہ مخالفت میں 11 ارکان نے ووٹ ڈالا۔ امریکہ کی دفاعی پالیسیوں کے لیے سالانہ بنیادوں پر دفاعی بجٹ کا پاس کیا جانا ضروری ہے۔ (ایجنسی)

یوکرین شہری تنصیبات پر روسی میزائلوں کی بارش

جمعہ کو روس کی جانب سے ایک مرتبہ پھر یوکرین میں متعدد شہری تنصیبات خصوصاً بجلی کے گرڈز کو میزائلوں کے ذریعے نشانہ بنایا گیا، جس کے نتیجے میں خارکیف سمیت متعدد مقامات پر بجلی کی سپلائی متاثر ہوئی ہے۔ یوکرینی حکام کے مطابق روس کی جانب سے صرف کیف شہر کے اہم شہری ڈھانچے پر چالیس میزائل داغے گئے۔ مقامی حکام کے مطابق جنگ کے آغاز سے اب تک کیف کے خلاف یہ سب سے بڑا میزائل حملہ تھا۔ تاہم یوکرینی حکام کے مطابق ان چالیس میں سے 37 میزائلوں کو فضائی دفاعی نظام کے تحت فضا ہی میں تباہ کردیا گیا۔ یوکرینی حکام نے تباہ ہونے والی تنصیبات کے تفصیلات تو نہیں بتائیں تاہم کہا کہ وسطی شہر پولتاوا اور دارالحکومت کیف کے متعدد علاقے اس وقت بجلی سے محروم ہیں۔ (ایجنسی)

اقوام متحدہ نے کمیشن برائے خواتین سے ایران کی رکنیت معطل کردی

اقوام متحدہ نے امریکی قرارداد کے بعد کمیشن برائے خواتین سے ایران کی رکنیت منسوخ کردی۔ امریکہ کی جانب سے ایران کی خواتین مخالف پالیسیوں کو بنیاد بنا کر ایران کی رکنیت معطل کروانے کیلئے قرارداد پیش کی گئی تھی، جس کے حق میں 29 اراکین نے ووٹ دیا اور 8 امریکی قرارداد کی مخالفت میں رائے شماری کی جب کہ کمیشن کے 16 رکن ممالک نے رائے شماری میں حصہ ہی نہیں لیا۔ میڈیا رپورٹس کے مطابق ایران اقوام متحدہ کے کمیشن برائے خواتین کا رکن 2022 میں ہی بنا تھا جس کی مدت 2026 تک تھی لیکن قراداد کی منظوری کے بعد ایران اس کمیشن کا حصہ نہیں رہا۔ اقوام متحدہ میں تعینات امریکی مندوب لنڈا تھومس گرین فیلڈ نے کہا کہ ایران کی رکنیت کمیشن کی ساکھ پر دھبہ ہے۔ دوسری جانب ایران کے مستقل مندوب امیر سعید ایروانی نے امریکا کے اس اقدام کو 'غیرقانونی' اور ایران مخالف امریکی پالیسی قرار دیا۔ (نیوز ایکسپریس)

برطانیہ کا غیرقانونی پناہ گزینوں کے خلاف کریک ڈاؤن کا فیصلہ

برطانوی وزیراعظم رشی سونک نے غیرقانونی طور پر ملک میں داخل ہونے والے تارکین وطن سے نمٹنے کے لیے پارلیمنٹ میں 5 نکاتی منصوبے پر تقریر کرتے ہوئے اپنا پالیسی بیان دیدیا۔ عالمی خبر رساں ادارے کے مطابق برطانوی وزیراعظم رشی سونک نے کہا کہ بہت ہوگیا، اب غیرقانونی تارکین وطن کو واپس جانا ہوگا۔ ہم مزید اس بوجھ کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ پناہ گزینوں سے متعلق قانون اور نظام اب بیکار اور فرسودہ ہو چکا ہے جس میں تبدیلیاں ناگزیر ہوگئی ہیں کیوں کہ اب دشمن ریاستیں یورپی سرحدوں پر امیگریشن کو بطور ہتھیار استعمال کررہی ہیں۔ برطانوی وزیراعظم نے مزید کہا کہ غیرقانونی طور پر ملک میں داخل ہونے والوں کی اکثریت محفوظ ممالک سے ہوتے ہوئے یہاں پہنچتے ہیں۔ ان کا مقصد برطانیہ آنا ہی ہوتا ہے ورنہ راستے میں آنے والے دیگر محفوظ ممالک میں ہی رک جاتے۔ وزیراعظم رشی سنک نے غیرقانونی امیگریشن سے نمٹنے کے لیے 5 نکاتی منصوبے سے متعلق بتایا کہ اولین طور پر انگلش چینل کو عبور کرنے والی چھوٹی کشتیوں کی نگرانی کے لیے قائم کیے جانے والے نئے یونٹ میں 700 اہلکار تفویض کیے جائیں گے۔ علاوہ ازیں البانیہ میں 400 برطانوی حکام تعینات کیے جائیں گے جو تارکین وطن کی درخواستوں پر غور کریں گے، ان تارکین وطن کو غیر استعمال شدہ پارکس، ہاسٹلز اور اضافی فوجی رہائش گاہوں میں سمیت مختلف ہوٹلوں میں 10 ہزار پناہ گزینوں کو ٹھہرایا جائیگا۔ (نیوز ایکسپریس)

فضائی آلودگی سے متاثر دنیا کے 10 بدترین شہروں میں سے 9 جنوبی ایشیا میں

ورلڈ بینک نے کہا ہے کہ ہوا کی سمت کی بنیاد پر جنوبی ایشیا میں فضائی آلودگی کی بڑی مقدار ایک ملک سے دوسرے ملک میں جاتی ہے، فضائی آلودگی سے متاثر دنیا کے 10 بدترین شہروں میں سے 9 شہر جنوبی ایشیا میں ہیں۔ صاف ہوا کے لیے جدوجہد، جنوبی ایشیا میں فضائی آلودگی اور صحت عامہ کے عنوان سے جاری ورلڈ بینک کی ایک نئی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ سال کے کچھ حصوں کے دوران فضائل آلودگی ایک ملک سے دوسرے ممالک کی جانب جاتی ہے۔ رپورٹ کے مطابق شمال مغرب سے جنوب مشرق کی جانب چلنے والی ہوا کے زیر اثر ہندوستانی ریاست پنجاب میں فضائی آلودگی کا 30 فیصد حصہ پاکستان کے صوبہ پنجاب سے آتا ہے اور اسی طرح سے بنگلہ دیش کے بڑے شہروں (ڈھاکہ، چٹاگانگ اور کھلنا) میں اوسطاً 30 فیصد فضائی آلودگی ہندوستان سے پیدا ہوتی ہے۔ (یو این آئی)

تعلیم و روزگار

رحمانی 30 کا داخلہ امتحان ملک بھر میں پرانے طرز پر آف لائن منعقد ہوگا

اعلیٰ مقابلہ جاتی امتحانات کی تیاری کے لیے رحمانی 30 کا فارم ویب سائٹ پر دستیاب

رحمانی پروگرام آف ایکسیلنس (رحمانی 30) نے آئی آئی ٹی۔ جے ای ای، (JEE-IIT) میڈیل، (NEET) سی اے، (CA) سی ایس، (CS) کلیٹ، (CLAT) این ڈی اے، (NDA) کی تیاری کے لئے نئے سیشن (2023-25) کے لئے اعلامیہ جاری کردیا ہے۔ مقابلہ جاتی امتحانات کی تیاری کے لیے رحمانی 30 کا انٹرنس ٹیسٹ پرانے طرز پر حسب سہولت مختلف مراکز پر منعقد ہوگا۔ درخواست دہندگان کو امتحان کی خبر ٹیکسٹ مسیج، ای میل، اور ویب سائٹ کے ذریعے دی جائے گی۔ ہر سال کی طرح اس سال بھی طلبہ کا انتخاب پورے ملک سے ہوگا۔ اس انٹرنس ٹیسٹ میں وہ مسلم اقلیت طلبہ وطالبات حصہ لے سکیں گے جنہوں نے اس سال یعنی 2023 میں دسویں کلاس بورڈ کے امتحان میں شریک ہونگے۔ جس کے لیے انھیں آن لائن فارم بھرنا ہوگا۔ فارم کی تفصیلات رحمانی 30 کے ویب سائٹ www.rahmanimisison.org پر دستیاب ہے۔

خیال رہے کہ اس سال رحمانی 30 کے انجینئر نگ کے 57 طلبہ آئی آئی ٹی ایڈوانس میں کامیاب ہوئے اور جے ای ای مینس میں 173 طلبہ کامیاب ہوئے، جبکہ میڈیکل کے سو فیصد طلبہ نیٹ (NEET) کے امتحان میں کامیاب ہوئے، 75.45% طلبہ 90 پرسنٹائل کے ساتھ کامیاب رہے، اور کامرس آئی۔ سی۔ اے۔ آئی کوئز میں 36 طلبہ نے کامیابی حاصل کی اور سی اے فاؤنڈیشن میں 31 میں 23 (74 فیصد) سی ایس فاؤنڈیشن میں 34 میں 31، جبکہ سی اے انٹرمیڈیٹ چارٹرڈ اکاؤنٹینٹ میں 7 طلبہ نے گروپ ون میں کامیابی حاصل کر کے رحمانی پروگرام آف ایکسیلنس کی تاریخ میں ایک نیا باب جوڑا۔ ان کامیابیوں کا اجمالی جائزہ رحمانی مشن کے آفیشیل ویب سائٹ www.rahmanimisison.org پر موجود ہے۔

رحمانی 30 کا داخلہ امتحان اسٹیٹ بورڈ، سی بی ایس ای (CBSE) اور سی آئی ایس سی ای (CISCE) کے مشترکہ نصاب پر مبنی ہوگا۔ یہ سوالات ریاضی، فزکس، کیمسٹری، بایولوجی، سوشل سائنس، انگریزی اور اسلامی معلومات پر مشتمل ہوگا، اس کے علاوہ مینٹل میتھ میٹکس اور ایپٹی ٹیوڈ کے سوالات بھی ہونگے، خیال رہے کہ اس امتحان میں شرکت کے اہل صرف وہی طلبہ وطالبات ہونگے جو امسال 2023 میں دسویں جماعت کے امتحان میں شامل ہونگے۔ رحمانی 30 کے سرپرست، امیر شریعت حضرت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی صاحب کی یہ سوچ اور فکر ہے کہ 10 ویں کلاس تک کے تمام طلبہ وطالبات سائنس، میتھس، سوشل سائنس مکمل نصاب پر عبور حاصل ہو۔

یاد رہے کہ رحمانی 30 کا قیام 2008 میں مفکر اسلام حضرت مولانا محمد ولی صاحب رحمانی رحمتہ اللہ علیہ نے جناب ابھیانند جی (سابق ڈی جی پی، بہار) کی اکیڈمک نگرانی میں کیا تھا۔ جس کا مقصد مسلم مائنورٹی کے طلبہ وطالبات کو ملکی پیمانہ پر مقابلہ جاتی امتحانات کی تیاری کرانا اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں پہنچانا تھا۔ الحمدللہ رحمانی 30 کے بینر تلے مسلم طلبہ وطالبات نے انجینئرنگ، میڈیکل اور کامرس کے میدان میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔

مفکر ملت امیر شریعت جناب حضرت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی صاحب سجادہ نشیں خانقاہ رحمانی مونگیر، و سرپرست رحمانی 30 نے گذارش کی ہے کہ طلبہ وطالبات، گارجین حضرات، اسکول کے ذمہ داران اور قوم کے دانشوران وائمہ کرام اس مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ یقیناً یہ مسلم مائنورٹی کے لئے ایک بڑی کامیابی اور خوش آئند مستقبل کا ضامن ہے کہ مختلف سرکاری کمیٹیوں کی جانب سے تعلیمی اور اقتصادی طور پر پسماندہ قرار دیے جانے کے باوجود اس سماج کے طلبہ وطالبات نے اجتماعی طور پر اعلیٰ مقابلہ جاتی امتحانات میں کامیابی کا پرچم بلند کرنا شروع کیا ہے۔ قوم کے درمیاں سے تعلیمی پسماندگی کو دور کرنا اور ایک تابناک مستقبل کے لئے مضبوط و مستحکم قدم اٹھانا ہم سب کا قومی وملی فریضہ ہے۔

اگنی پتھ کو چیلنج کرنے والی عرضی پر سماعت مکمل، فیصلہ محفوظ

مرکزی حکومت کی اگنی پتھ اسکیم کو چیلنج پر سماعت مکمل ہوگئی ہے۔ دہلی ہائی کورٹ نے فیصلہ محفوظ کرلیا ہے۔ سماعت کے دوران مرکزی حکومت نے دہلی ہائی کورٹ میں اگنی پتھ اسکیم کی حمایت کی۔ سماعت مکمل ہونے کا اعلان کرتے ہوئے ہائی کورٹ نے تمام فریقین سے کہا ہے کہ وہ کرسمس کی تعطیلات سے قبل عدالت میں تحریری دلائل دیں۔ دہلی ہائی کورٹ اپنے فیصلے میں فیصلہ کرے گی کہ آیا مرکزی حکومت کی اگنی پتھ اسکیم درست ہے یا نہیں۔ درخواست گزار نے درخواست دائر کی تھی جس میں اسکیم، نوٹیفکیشن اور امیدواروں کے مستقبل اور اس کے اثرات سے متعلق کئی مسائل اٹھائے گئے تھے مسلسل سماعت کے دوران ایڈیشنل سالیسٹر جنرل ایشوریہ بھاٹی نے اس اسکیم کے بارے میں عدالت کو بتایا کہ یہ پہلا موقع ہے جب کم عمر لڑکیوں کو بھی فوج میں شامل کیا جارہا ہے۔ اے ایس جی ایشوریہ بھاٹی نے کہا کہ اگنیوروں کو سنٹرل آرمڈ پولیس فورس کی سروس میں 10 فیصد ریزرویشن ملے گا۔ بھاٹی نے کہا کہ ہنرمندی کی ترقی کی وزارت ان فائر فائٹرز کی مہارتوں کی نقشہ سازی بھی کررہی ہے۔ IGNOU کے ساتھ ایک MOU پر دستخط کیے گئے ہیں۔ اس کے تحت اگنی ویر کو ڈپلومہ یا 6 سال کی ڈگری دی جائے گی۔ اگنی ویر 4 سال مکمل ہونے کے بعد بھی اپنی تعلیم جاری رکھ سکے گا۔

بہار بورڈ امتحانات کی ڈیٹ شیٹ جاری، یکم فروری سے شروع ہوں گے امتحان

بہار اسکول ایگزامینیشن بورڈ نے بہار بورڈ کے 10 ویں اور 12 ویں کے امتحانات کی تاریخوں کا اعلان کیا ہے۔ بہار بورڈ انٹرمیڈیٹ کا سالانہ امتحان یکم فروری 2023 سے شروع ہوگا اور 11 فروری 2023 کو ختم ہوگا۔ جبکہ میٹرک کا امتحان 14 فروری 2023 سے شروع ہوکر 22 فروری 2023 کو ختم ہوگا۔ ڈیٹ شیٹ کو بہار بورڈ کی آفیشل ویب سائٹ biharboardonline.bihar.gov.in پر جا کر ڈاؤن لوڈ کیا جاسکتا ہے۔

ملی سرگرمیاں

مولانا مفتی محمد سہراب ندوی

پاٹلی پترا جامع مسجد میں قائم مقام ناظم امارت شرعیہ مولانا محمد شبلی قاسمی کا خطاب

ہمارے ذہن و ماغ میں ہر وقت یہ بات غالب رہنی چاہیئے کہ ہم اس دنیا میں اپنی مرضی اور اپنے اختیار سے نہیں آئے ہیں ،اسی طرح دنیا سے جدائیگی یعنی موت بھی اپنے اختیار اور اپنی چاہت سے نہیں ہوگی ، بلکہ ہمارے آنے اور دنیا سے جانے میں اسی ہستی کی غیبی طاقت اور حکم و مشیت کا دخل ہے جسے ہم اللہ کہتے ہیں جو ہمارا معبود برحق ہے،وہی ہماری زندگی اور موت کا مالک ہے ،اسی لئے عقل و نقل ہمیں بتاتی ہے کہ آنے اور جانے کے درمیان کا وقفہ دنیا بھی اسی کی مرضی سے گذاریں جس کی مرضی سے ہم آئے ہیں وہ کسی لمحہ ہمارے ذہن و ماغ اور حضوری سے الگ نہ رہے ہر طرح کی راحت و آرام اور رنج و الم میں اس کی طرف توجہ رہے اور اسی سے امید اور اسی پر بھروسہ رہے مذکورہ باتیں امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ کے قائم مقام ناظم جناب مولانا محمد شبلی القاسمی مدظلہ نے جامع مسجد پاٹلی پترا پٹنہ میں جماز جمعہ سے قبل اپنے خطاب میں کہیں ،انہوں نے کہا جس بندے کو رب کائنات کی حضوری میسر ہو جائے اسے بہت بڑی نعمت مل گئی اور اسی سے راحت و سکون اور زندگی کا مقصد حاصل ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی حضوری کے احساس کے بقدر ہی انسانوں کو عبادت کی توفیق اور عبادتوں میں لذت ملتی ہے،جس دل میں اللہ نہ ہو اور اسکی حضوری کا احساس نہ ہو وہ وجود گناہوں کا مرکز بن جاتا ہے اور دنیا کی جال میں پھنس جاتا ہے،ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ کھانا ، پینا، مکان و دکان، تجارت و ملازمت زندگی کی ضرورت ہے زندگی کا مقصد نہیں ہے اسے سمجھنے میں ہم لوگوں سے غلطیاں ہوئیں اور ہو رہیں ہیں کہ ہم نے ضرورت کو مقصد بنالیا اور مقصد کو بھول گئے ،زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ایک اچھے معاشرہ کی تشکیل ہے،جس میں بندوں کا تعلق اللہ تعالیٰ سے مضبوط ہو،اور ایک انسان دوسرے انسان کا خیر خواہ ، ہمدرد اور آپس میں مخلص ہو، مسلمان روئے زمیں پر ایک با مقصد قوم کی حیثیت سے اپنا تعارف کرائیں اس سے عزت ، وقار اور شان و شوکت ، مقبولیت میں اضافہ ہوگا،مولانا نے اپنے خطاب میں مسلمان لڑکے اور لڑکیوں کے دین و ایمان کی حفاظت کی تدبیر اختیار کرنے کی ہدایت والدین اور سماج کے ہر ذمہ دار شخص کو دیتے ہوئے کہا کہ اس وقت تیزی سے ارتداد پھیل رہا ہے ،لڑکے اور ہماری لڑکیاں دین سے دور ہو کر اپنے دین داروں کو برا بھلا کہہ رہی ہیں ، کتاب و سنت سے منحرف ہو رہی ہے ،ایمانداروں کی راہوں کو بیوقوفوں کی وادی سمجھتے ہیں ہماری ذمہ داری ہیکہ ارتداد کے اسباب پر سنجیدہ توجہ دیں اور اپنی نسلوں کے دین و ایمان کی حفاظت کیلئے چوکنا رہیں ورنہ جب تھوڑی سی غفلت سے چیل مرغی کے بچے کو اچک لے جاتا ہے اسی طرح شیطان اور شیطانی ذوریات ہماری نسلوں کے دین و ایمان کو اچک لینے کیلئے پوری طرح کمر بستہ ہیں ، وہ فریب دیکر غلط کو کامیاب راہ بتا کر ناکامی کی طرف اور جہنم کی راہوں میں ڈھکیل دے رہے ہیں ۔امارت شرعیہ بہار اڈیشہ و جھارکھنڈ امیر شریعت حضرت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی مدظلہ کی قیادت میں نئی نسل کے دین و ایمان کی حفاظت کیلئے اس وقت بنیادی دینی تعلیم کے مکاتب اور دینی و شرعی ماحول میں عصری تعلیم کے ادارے قائم کرنے کی تحریک چلا رہی ہے ،ہمیں اس تحریک کا حصہ بننا چاہیئے اور اپنے اپنے گاؤں علاقوں اور محلوں میں اپنی نگرانی میں مکاتب قائم کرنے اور عصری تعلیم کیلئے اسکول اور کوچنگ سنٹر کھولنے کی جانب فکر مند ہونا چاہیئے اور اسے اپنا فرض منصبی سمجھنا چاہیئے ،ملت کے ہر فرد اور سمجھ رکھنے والے بھائیوں کو ارتداد کا اخلاص کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیئے اور اپنے گھروں میں ارتداد کے داخل ہونے کی راہوں کو بند کرنا چاہیئے ۔

امارت شرعیہ کے شعبۂ تبلیغ و تنظیم میں دعاۃ و مبلغین کی ضرورت

امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ و جھارکھنڈ پھلواری شریف پٹنہ قوم و ملت کا ایک عظیم سرمایہ اور اہم دینی، تعلیمی ، سماجی و فلاحی سو سالہ قدیم ادارہ ہے، جس کی خدمات کی روشن اور تابناک تاریخ ہے، بانی امارت شرعیہ حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ نے جن شعبوں کو امارت شرعیہ میں شامل فرمایا تھا ان میں اہم شعبہ، شعبہ دعوت و تبلیغ ہے، امیر شریعت اول بدر الکاملین حضرت مولانا شاہ بدر الدین قادریؒ سجادہ نشین خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ سے لے کر اب تک کے تمام امراء شریعت نے اس شعبہ پر خصوصی توجہ فرمائی، موجودہ امیر شریعت مفکر ملت حضرت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی صاحب دامت برکاتہم کی بھی خاص توجہ اس شعبہ کے استحکام اور توسیع پر ہے، حضرت نے حالات اور تقاضوں کو دیکھتے ہوئے بہار، اڈیشہ و جھارکھنڈ کے تمام اضلاع اور علاقوں کے لئے بڑی تعداد میں دعاۃ اور مبلغین بحال کرنے کا فیصلہ فرمایا ہے تاکہ ہر علاقہ میں بروقت اسلام کی صحیح روشنی اور امارت شرعیہ کا پیغام ان تک پہنچ سکے اور تنظیم کا استحکام ہو، حضرت امیر شریعت صاحب کی ہدایت کو بروئے کار لانے کی غرض سے امارت شرعیہ کے قائم مقام ناظم جناب مولانا محمد شبلی القاسمی صاحب نے اعلان کیا ہے کہ جو حضرات علماء و حفاظ امارت شرعیہ کے شعبہ تبلیغ سے منسلک ہو کر قوم و ملت کی گراں قدر خدمات انجام دینا چاہتے ہوں وہ جلد اپنی درخواست ناظم امارت شرعیہ کے نام دستی/ بذریعہ ای میل/ وہاٹس ایپ درخواست صاف اور اپنی تحریر میں لکھیں، نیز اپنا مکمل پتہ اور موبائل نمبر بھی ضرور تحریر کریں، تعلیمی اسناد کی عکسی کاپی بھی درخواست کے ساتھ بھیجیں، درخواست موصول ہونے کے بعد بحالی کی کاروائی کے سلسلہ میں جلد ہی مطلع کیا جائے گا، درخواست بھیجنے کی اطلاع فون پر بھی کر دیں، بحالی کا یہ سلسلہ ۱۵؍جنوری ۲۰۲۳ تک جاری رہے گا۔ بذریعہ ڈاک درخواست بھیجنے کا پتہ :۔ ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، بہار پن کوڈ:801505۔

ای میل:tanzimimaratshariah@gmail.com

وہاٹس ایپ:9546493996۔9065720887

مدرسہ رحیمیہ گاڑھا کے صدر جناب محمد مامون الرشید عرف جواہر سرپنچ اور جناب ماسٹر انوار احمد صاحب کے سانحہ ارتحال پر حضرت امیر شریعت سمیت ذمہ داران امارت شرعیہ کا اظہار تعزیت

انتہائی افسوس کے ساتھ یہ خبر دی جا رہی ہے کہ امارت شرعیہ کے صدر مفتی مولانا مفتی سہیل احمد قاسمی صاحب کے بڑے بھائی جناب ماسٹر انوار احمد صاحب کا 11 دسمبر 2022 کو ڈھائی بجے دن میں انتقال ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون، 7 نومبر کو ان کے دماغ کا آپریشن ہوا تھا، اس وقت سے وہ میدانز ہاسپٹل پٹنہ کے آئی سی یو میں زیر علاج تھے لیکن صحت لوٹ نہیں سکی اور دوپہر ڈھائی بجے کے قریب ان کا انتقال ہو گیا۔ دوسری افسوس ناک خبر ہے کہ امارت شرعیہ کے معاون ناظم مولانا محمد ابوالکلام شمسی صاحب کے چچا زاد بھائی ، مدرسہ رحیمیہ گاڑھا مدھے پورہ کے صدر، امارت شرعیہ کے ارباب حل و عقد کے رکن اور علاقہ کے مشہور و معروف سیاسی و سماجی خدمت گار جناب محمد مامون الرشید عرف جواہر سرپنچ و رکن امارت شرعیہ کا گیارہ دسمبر کو ہی شام ساڑھے سات بجے پٹنہ میں انتقال ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ جنازہ کی نماز 12 دسمبر کو بعد نماز ظہر ان کے آبائی گاؤں گاڑھا، رحمان پور میں ادا کی گئی ۔ایک ہی دن میں دو وفات کے سانحہ نے تمام خدام، منسلکین و محبین امارت شرعیہ کو بہت متاثر کیا۔ دونوں حضرات بڑے کام کے لوگ تھے، امارت شرعیہ سے محبت رکھنے والے افراد تھے، خوش اخلاق ، ملنسار اور نیک دل انسان تھے۔اللہ تعالیٰ مرحومین کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور دونوں کے وارثین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ ان دونوں حضرات کے سانحہ ارتحال پر امیر شریعت حضرت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی صاحب مدظلہ العالی ، نائب امیر شریعت حضرت مولانا محمد شمشاد رحمانی صاحب ، قائم مقام ناظم امارت شرعیہ مولانا محمد شبلی القاسمی ، قاضی شریعت امارت شرعیہ مولانا محمد انظار عالم قاسمی ، مفتی امارت شرعیہ مولانا مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی ، نائب ناظم امارت شرعیہ مولانا مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی ، مولانا سہیل احمد ندوی و مولانا مفتی محمد سہراب ندوی ، نائب قاضی شریعت مولانا مفتی وصی احمد قاسمی ، مولانا سہیل اختر قاسمی و مولانا مجیب الرحمٰن قاسمی سمیت امارت شرعیہ کے تمام ذمہ داران و کارکنان نے اہل خانہ سے اظہار تعزیت کرتے ہوئے مرحومین کے لیے مغفرت و بلندی درجات اور پسماندگان کے لیے صبر و استقامت کی دعا کی ہے ۔قارئین نقیب سے بھی دعاء مغفرت کی درخواست ہے۔

بقیہ: قادیانی اور قادیانیت

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ لکھتے ہیں: ’’علماء اسلام کے فتویٰ کے مطابق قادیانی کافر ہیں، جو شخص قادیانی ہو جائے وہ مرتد کے حکم میں ہے اس سے تعلق رکھنا اس کے نکاح وغیرہ میں شریک ہونا یا اپنے یہاں اس کو شریک کرنا ناجائز ہے، اس کے جنازہ میں شرکت اور نماز جنازہ بھی منع ہے‘‘ ۔(فتاویٰ محمودیہ ۵/ ۳۰۸)

مولانا مفتی رشید احمد صاحبؒ لکھتے ہیں: ’’ایسا شخص جو صوم صلوٰۃ کا پابند ہے لیکن اس کے تعلقات قادیانی جماعت کے ساتھ ہیں، اگر وہ دل سے بھی ان کو اچھا سمجھتا ہے تو وہ مرتد ہے اور بلاشبہ خنزیر سے بدتر ہے اس سے تعلقات رکھنا ناجائز ہے، اگر وہ مسجد کے لیے چندہ دیتا ہے تو اسے وصول کرنا جائز نہیں‘‘ (احسن الفتاویٰ: ۱/ ۴۶) ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں: ’’قادیانی یہ عام کفار سے بدتر زندیق اور واجب القتل ہیں، ان کی شادی، غمی میں شرکت کرنا اپنی شادی غمی میں انھیں شرکت کرانا ان سے سلام و کلام غرض کسی قسم کا تعلق رکھنا جائز نہیں، مسلمان کے جنازہ کے ساتھ ایسے مغضوب لوگوں کو چلنے کی ہرگز اجازت نہ دی جائے‘‘ ۔(احسن الفتاویٰ :۶/ ۳۶۰)

مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ ، مفتی دار العلوم دیوبند لکھتے ہیں: ’’احمدی، قادیانی متفقہ طور پر کافر ہے، لہٰذا اس سے مسلمان لڑکی کا نکاح جائز نہیں ہے اور نہ اس سے اپنا دینی تعلق ہی قائم رکھنا درست ہے‘‘ ۔(فتاویٰ دار العلوم ۳/ ۱۴۲)

فتاویٰ رحیمیہ میں مفتی عبد الرحیم لاجپوریؒ لکھتے ہیں: ’’قادیانیوں کی اولاد (نسلی مرزائی قادیانی) غلام احمد قادیانی کو نبی یا کم از کم مسلمان مانتی ہو تو بھی وہ کافر ہیں‘‘ ۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۶۹ / ۷)

حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں: ’’جس طرح مسیلمہ کذاب کو مسلمان سمجھنا کفر ہے، اسی طرح مسیلمہ پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی کو مسلمان سمجھنا کفر ہے ۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ، بلکہ مسیلمہ قادیانی یمامہ کے مسیلمہ سے دجل و فریب میں کہیں آگے نکلا ہوا ہے‘‘ ۔

علامہ خفاجی شرح شفا میں لکھتے ہیں: ’’ وہ شخص جو یہ کہے کہ میں نبی ہوں ، اور مجھ پر وحی آتی ہے تمام احکام میں مثل مرتد کے ہے اس لیے کہ وہ کتاب کا منکر ہے ، کیونکہ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حکم میں تکذیب کی کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ، اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر اختراع بھی کرتا ہے‘‘ ۔ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں: ’’اسی طرح ہم اس شخص کو بھی کافر سمجھتے ہیں جو ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی کو نبی مانے یا آپ کے بعد کسی شخص کی نبوت کا قائل ہو؛ اس لیے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنص قرآن و حدیث خاتم النبیین ہیں‘‘ ۔

رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے ایک سو چار (۱۰۴) ممالک اسلامیہ کی تقریباً ایک سو چالیس (۱۴۰) تنظیموں کی عظیم الشان کانفرنس منعقدہ ۶/ تا ۱۱؍اپریل ۱۹۷۴ء میں ایک تاریخی قرارداد منظور کی ، جس میں کہا گیا ہے کہ: ’’قادیانیت نے ہمیشہ استعمار اور صہونیت سے مل کر اسلام دشمن طاقتوں سے تعاون کیا ہے، قادیانیت کی اسلام دشمنی ان چیزوں سے واضح ہے (۱) مرزا غلام احمد کا دعویٰ نبوت کرنا (۲) قرآن کریم میں تحریف کرنا (۳) جہاد کے باطل ہونے کا فتویٰ دینا، لہٰذا تمام اسلامی تنظیموں کو چاہیے کہ وہ قادیانی مساجد، مدارس، یتیم خانوں اور دوسرے تمام مقامات میں جہاں وہ سیاسی سرگرمیوں میں مشغول ہیں، ان کا محاسبہ کریں اور اس کے پھیلائے ہوئے جال سے بچنے کے لیے عالم اسلام کے سامنے اس کو پوری طرح بے نقاب کیا جائے۔ اس گروہ کے کافر اور خارج از اسلام ہونے کا اعلان کیا جائے۔ مرزائیوں سے مکمل عدم تعاون اور اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی ہر میدان میں مکمل بائیکاٹ کیا جائے اور ان کے کفر کے پیش نظر ان سے شادی بیاہ کرنے سے اجتناب کیا جائے اور ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے۔ قرآن مجید میں قادیانیوں کی تحریفات کی تصاویر شائع کی جائیں اور ان کے تراجم قرآن کا شمار کر کے لوگوں کو اس سے متنبہ کیا جائے اور ان تراجم کی ترویج کا سد باب کیا جائے۔ (دوسرا، محاضرہ رد قادیانیت ص ۲۸) علامہ شیخ محمد عبد اللہ السبیل نے ’’قادیانیت نبوت محمدیہ کے خلاف بغاوت‘‘ میں قادیانیوں کے عقائد پر تفصیلی گفتگو کے بعد لکھا ہے کہ ہم تمام مسلمانوں کو اس فتنہ کی خطرناکی سے آگاہ کرتے ہیں اور اس اللہ کا خوف دلاتے ہیں جس نے نبی امی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی بنا کر مبعوث کیا کہ کہیں کوئی اس فریبی دجال کے جال میں پھنس نہ جائے یا اس جھوٹے کی نبوت پر ایمان لا بیٹھے یا اس کے جھوٹے ہونے میں شک میں پڑ جائے۔ اس لیے علماء وائمہ کو چاہیے کہ قادیانیت کے دجل و فریب سے عام مسلمانوں کو آگاہ کریں اور مسلمان اس فرقہ کو خارج از اسلام سمجھیں ؛ کیونکہ قادیانی مسلمان نہیں ہیں۔ پاکستان کی پارلیامنٹ نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر اسے اسلام سے خارج کیا۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ اس فتنہ کا ہمیشہ ہمیش کے لیے قلع قمع فرمائے اور مسلمانوں کو قادیانیوں کے مکر و فریب سے محفوظ رکھے۔ آمین ۔

شراب بندی اور زہریلی شراب سے بڑھتی ہلاکتیں

بہار کے سارن ضلع میں شراب پینے سے تقریباً 40 افراد کی موت کے بعد اس پر سیاست بھی شروع ہوگئی ہے۔ بھارت میں پانچ صوبوں میں شراب کی خرید وفروخت پر پابندی ہے تاہم وہاں بھی شراب پینے کے باعث اموات کے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ بہار کے سارن ضلع کے مسرخ اور عیسیٰ پور قصبات میں زہریلی شراب پینے سے مرنے والوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے۔ اب تک 39 افراد کی ہلاکت کی تصدیق ہوچکی ہے۔ ہلاکتوں کی تعداد میں اضافہ ہونے کا خدشہ ہے کیونکہ بہت سے افراد زیر علاج ہیں اور ان کی حالت نازک بتائی جارہی ہے۔ ضلع انتظامیہ نے اس سانحہ کے سلسلے میں اب تک 40 مشتبہ شراب اسمگلروں کو حراست میں لیا ہے۔ وزیر اعلیٰ نتیش کمار نے اس واقعے کی انکوائری کا حکم بھی دے دیا ہے۔

بہار ملک کے ان پانچ صوبوں میں شامل ہے جہاں شراب بندی قانون نافذ ہے یعنی شراب کی خرید وفروخت قانوناً ممنوع ہے۔ جن دیگر صوبوں میں شراب بندی قانون نافذ ہے ان میں گجرات، میزورم، ناگالینڈ اور لکش دیپ شامل ہیں۔ تاہم اس قانون کی خلاف ورزی اور اس کے نتیجے میں لوگوں کی ہلاکتوں کے واقعات اکثر پیش آتے رہتے ہیں۔ اسی برس جولائی میں گجرات میں زہریلی شراب پینے سے کم از کم 42 افراد ہلاک جب کہ 92 افراد بیمار ہوگئے تھے۔

سیاست بھی شروع: بہار میں زہریلی شراب پینے سے لوگوں کی ہلاکت کے بعد صوبائی اور ملکی دونوں سطح پر اس معاملے پر سیاست بھی شروع ہوگئی ہے۔ حکمراں جنتا دل یونائیٹڈ کی سابق حلیف بھارتیہ جنتا پارٹی نے وزیر اعلیٰ نتیش کمار پر الزام لگایا کہ ان کی غلط شراب بندی پالیسی کی وجہ سے معصوم لوگوں کی موت ہورہی ہے۔ مرکزی وزیر گری راج سنگھ کا کہنا تھا کہ نتیش کمار شراب بندی کے نام پر عوام کو گمراہ کررہے ہیں اور انہیں اس پالیسی پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔

انہوں نے کہا کہ نتیش کمار کی پالیسی ناکام ہوچکی ہے، ملاوٹی اور زہریلی شراب پینے کی وجہ سے اکثر لوگوں کی اموات ہورہی ہے اور ریاست میں شراب سے وابستہ جرائم کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے۔ بہار سے تعلق رکھنے والے بی جے پی کے ایک دیگر رکن پارلیمان نشی کانت دوبے کا کہنا تھا ''بہار میں عملاً شراب پر کوئی پابندی نہیں ہے، یہ صرف نتیش کمار کی انا کا معاملہ ہے۔''

پارلیمان میں اس معاملے پر ہنگامہ کی وجہ سے کارروائی پندرہ منٹ کے لیے ملتوی کرنی پڑی۔ اس دوران بی جے پی کے اراکین نے بہار اسمبلی میں اس معاملے کو اٹھاتے ہوئے نتیش کمار سے استعفیٰ کا مطالبہ کیا۔ اپوزیشن کی جانب سے نکتہ چینی پر وزیر اعلیٰ نتیش کمار خاصے ناراض ہیں۔ انہوں نے اس معاملے پر میڈیا سے بات کرتے ہوئے کہا: ''جو شراب پیئے گا وہ تو مرے گا ہی، مثال سامنے ہے، پیوگے تو مروگے۔'' انہوں نے کہا کہ جب شراب پر پابندی ہے تو لوگ اسے پیتے کیوں ہیں؟ انہوں نے وزیر اعظم نریندر مودی کی آبائی ریاست گجرات کا نام لیے بغیر کہا کہ دیگر ان ریاستوں میں بھی بڑی تعداد میں لوگ شراب پینے سے موت کا شکار ہورہے ہیں جہاں اس پر پابندی ہے۔

بہار میں زہریلی شراب پینے کی وجہ سے رواں برس اب تک 80 سے زائد افراد ہلاک ہوچکے ہیں بہار میں زہریلی شراب پینے کی وجہ سے رواں برس اب تک 80 سے زائد افراد ہلاک ہوچکے ہیں۔ نتیش کمار نے 2016 میں شراب بندی قانون نافذ کیا تھا، اس کے باوجود صوبے میں شراب کی خرید وفروخت ہوتی رہی ہے۔ مختلف مقامات پر غیر قانونی طریقے سے دیسی شراب بھی تیار اور فروخت کی جاتی ہے۔ تاہم بعض سیاسی رہنماؤں کا کہنا ہے کہ شراب کو قانونی طور پر ممنوع نہیں قرار دیا جانا چاہیے۔ خیال رہے کہ کیرالا اور ہریانہ جیسے صوبوں نے بھی شراب بندی قانون منظور کیے تھے لیکن ان کے نفاذ میں عملی دشواری کو دیکھتے ہوئے یہ قانون واپس لے لیے۔

شراب پر سخت ترین پابندی لیکن جیلیں شرابیوں سے بھری ہوئی: دس کروڑ کی آبادی والی ریاست بہار میں شراب نوشی اور شراب فروشی پر پابندی کے انتہائی سخت قوانین نافذ ہیں، ریاستی سرحدوں کی کڑی نگرانی کی جاتی ہے لیکن پھر بھی جیلیں شرابیوں اور شراب بیچنے والوں سے بھری ہوئی ہیں۔ اس بارے میں نیوز ایجنسی اے ایف پی نے 24 اکتوبر کو اپنے ایک تفصیلی مراسلے میں لکھا ہے کہ پریم پرکاش ریاست بہار کے ایکسائز کے محکمے کے ایک سپرنٹنڈنٹ ہیں، جو اپنے ساتھ کئی اہلکاروں کی ایک ٹیم لیے بہار اور ہمسایہ ریاست جھاڑکھنڈ کے درمیان راجولی چیک پوائنٹ پر وہاں سے گزرنے والے افراد، بسوں، گاڑیوں، حتیٰ کہ رکشوں تک کی مکمل تلاشی لیتے ہیں۔ ان اہلکاروں کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ بھات کے دوسرے صوبوں سے آنے والے لوگ اپنے ساتھ شراب نہ لاسکیں۔ لیکن ان کی یہی کوششیں راجولی چیک پوائنٹ پر بسوں اور گاڑیوں کی طویل قطاروں کی وجہ بنتی ہیں اور راجولی تو بہار اور جھاڑکھنڈ کے درمیان بہت سے سرحدی چوکیوں میں سے صرف ایک چوکی ہے۔ بہار میں شراب پر پابندی کے ایسے قوانین نافذ ہیں، جو پورے بھارت میں اپنی نوعیت کے سخت ترین قوانین قرار دیے جاتے ہیں۔ اس وقت اس ریاست کی مختلف جیلوں میں کم از کم بھی 71 ہزار افراد قید ہیں، ان میں سے کچھ تو شراب نوشی یا شراب اپنے قبضے میں رکھنے کے جرم میں پانچ سال تک کی سزائے قید کاٹ رہے ہیں۔

اے ایف پی کے مطابق بہار میں شراب نوشی اور شراب فروشی پر پابندی کے حوالے سے اس قانون سے پہلے اور بعد کی صورت حال میں کچھ زیادہ فرق نظر نہیں آتا، جس کی ریاستی حکومت اور کئی سماجی ماہرین نے امید کی تھی۔ بہار میں شراب نوشی اور اس کے کاروبار پر پابندی سے متعلق قانون سازی گزشتہ برس کی گئی تھی۔ تب سے اب تک پولیس مختلف کارروائیوں کے دوران اب تک قریب ایک ملین لٹر شراب اپنے قبضے میں لے چکی ہے۔ لیکن مقامی میڈیا کے مطابق اس میں سے کافی زیادہ شراب حکومتی قبضے میں ہونے کے باوجود غائب ہوچکی ہے اور حکام اب یہ چھان بین کررہے ہیں کہ ایسا کیوں کر ہوا۔

بہار میں شراب پر پابندی کے مخالف بھی کافی ہیں۔ کئی شہریوں کو پولیس کی ان کارروائیوں سے بھی شکایت ہے، جو وہ شراب نوشی اور شراب فروشی کرنے والوں کے خلاف کرتی ہے۔ ناقدین کا کہنا ہے کہ پولیس کی ایسی تمام کارروائیاں ہمیشہ شفاف اور بدعنوانی سے پاک نہیں ہوتیں۔ اس کے باوجود ریاستی حکومت کے لیے شراب پر پابندی کا قانونی فیصلہ ووٹروں کی حمایت میں اضافے کی وجہ بنا ہے۔ وزیر اعلیٰ نتیش کمار کی، جنہوں نے اس پابندی کو متعارف کرانے میں کلیدی کردار ادا کیا، وزیر اعظم نریندر مودی ذاتی طور پر تعریف کرچکے ہیں۔ اس قانون کے نفاذ کے بعد مودی نے اس پابندی اور نتیش کمار کے بارے میں کہا تھا: ''یہ قانون ہماری آئندہ نسلوں کو بچانے میں اہم کردار ادا کرے گا۔ اس لیے ہر کسی کو اس کی حمایت کرنی چاہیے۔''

بہار میں اس پابندی کی عوامی اکثریت کی طرف سے حمایت کے بعد اس کے ملکی سطح پر اثرات بھی نظر آنے لگے ہیں۔ اب مدھیہ پردیش، جھاڑکھنڈ، تامل ناڈو اور راجستھان جیسی دیگر بھارتی ریاستوں میں بھی حکومتیں یا تو ایسی قانون سازی کے وعدے کرچکی ہیں یا اس کی حامی ہیں۔

دوسری طرف بھارتی جریدے ''کاروان'' کے پولیٹیکل ایڈیٹر ہرتوش سنگھ بال کہتے ہیں، ''بھارت کے غریب گھرانوں میں شراب نوشی ایک بہت بڑا سماجی مسئلہ ہے۔ لیکن جس طرح نتیش کمار حکومت نے یہ قانون منظور کرایا، وہ ایک بہت پیچیدہ مسئلے کو سیاسی طور پر بہت عجلت میں حل کرنے کی ایک ایسی کوشش تھی، جس کے اب نتائج بھی دیکھنے میں آرہے ہیں۔''

بھارت میں شراب نوشی کیوں بڑھ رہی ہے؟ ایک تحقیق کے مطابق بھارت کے لوگ اب پیسہ زیادہ کماتے ہیں، اچھے برانڈ کی شراب پر خرچ کرتے ہیں، لیکن غیر قانونی شراب اب بھی ایک منافع بخش کاروبار ہے۔ ایک طبی جریدے لینسیٹ کے حالیہ مطالعاتی جائزے سے معلوم ہوا کہ گزشتہ تین دہائیوں کے دوران بھارت میں شراب کی کھپت میں اضافہ ہوا ہے۔ اس جائزے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ 40 تا 64 برس عمر کے مردوں میں شراب کی کھپت سب سے زیادہ تھی۔ اس عمر کے مردوں میں 1990 کے بعد سے شراب نوشی کے رجحان میں 5.63 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ اس کے بعد 15 تا 39 برس عمر کے مردوں میں 5.24 فیصد اضافہ ریکارڈ کیا گیا۔ معمر افراد کے شراب پینے کی شرح میں بھی 2.88 فیصد اضافہ ہوا۔ مئی میں شائع ہونے والے بھارت کے تازہ ترین نیشنل فیملی ہیلتھ سروے میں یہ بھی انکشاف کیا گیا تھا کہ شہری علاقوں کے مقابلے میں ملک کے دیہی علاقوں میں مردوں اور عورتوں دونوں میں شراب نوشی کا رجحان بڑھا ہے۔ مجموعی طور پر، 15 سال اور اس سے زیادہ عمر کی تقریباً ایک فیصد بھارتی خواتین شراب پیتی ہیں، اس کے برعکس اسی عمر کے 19 فیصد مرد شراب پیتے ہیں، شمال مشرقی ریاست اروناچل پردیش ملک بھر میں پہلے نمبر پر ہے، جہاں 53 فیصد مرد اور 24 فیصد خواتین شراب پیتی ہیں۔

بڑھتی ہوئی آمدنی شراب نوشی میں اضافے کی وجہ: شراب کی کھپت میں اضافے کو متعدد عوامل سے منسوب کیا جاسکتا ہے، جن میں آمدنی میں اضافہ اور بڑھتی ہوئی شہری آبادی جیسے عوامل نمایاں ہیں۔ پبلک ہیلتھ فاؤنڈیشن آف انڈیا سے وابستہ پروفیسر گردھارا بابو نے ڈی ڈبلیو کو بتایا، ''بڑھتی ہوئی شہری آبادی، زیادہ رسائی اور اشتہارات میں اضافے نے شراب نوشی بڑھانے میں کردار ادا کیا ہے، ساتھ ہی یہ بھی دیکھا جانا چاہیے کہ شراب پر لگایا جانے والا ٹیکس ریاستی حکومتوں کے لیے آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔''

نیوز ایجنسی روئٹرز آئی ڈبلیو ایس آر ڈرنکس مارکیٹ تجزیے کے حوالے سے بتایا کہ بھارت کی 20 بلین ڈالر مالیت کی الکوحل مارکیٹ میں 2021 تا 2025 کی مدت کے دوران سالانہ 7 فیصد اضافہ ہونے کا امکان ہے۔ پسندیدہ مشروبات میں وہسکی اور اسپرٹ شامل ہیں۔

کورونا وبا کی وجہ سے شراب نوشی کے رجحان میں 12 فیصد کمی سے قبل بھارت دنیا میں شراب کی سب سے تیزی سے بڑھتی ہوئی منڈیوں میں سے ایک تھا۔ الکوحل مصنوعات بنانے والوں کی تنظیم ''کنفیڈریشن آف انڈین الکوحلک بیوریج کمپنیز'' کے ڈائریکٹر جنرل ونود گیری نے ڈی ڈبلیو کو بتایا، ''شراب نوشی اور الکوحل مصنوعات کی کھپت میں اضافہ اس کی سماجی قبولیت، اربنائزیشن، خواتین کو بااختیار بنانے، بڑھتی ہوئی آمدنی اور مصنوعات کی جدت سے جڑا ہے۔'' گیری نے مزید بتایا، ''یہ ایک فطری رجحان ہے کیونکہ بھارت سماجی اور معاشی طور پر ترقی کررہا ہے اور ہم توقع کرتے ہیں کہ یہ کچھ مدت کے لیے جاری رہے گا۔'' دو برس سے کورونا کی وجہ سے سماجی فاصلہ اختیار کرنے کے بعد اب بھارت میں نوجوانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد خاص طور پر شہروں میں ریستورانوں، کلبوں اور باروں میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں۔ دوسری جانب ہندو تہواروں کا موسم شروع ہونے سے قبل الکوحل مصنوعات بنانے والی کمپنیوں نے زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنے کے لیے مصنوعات کی تیاری اور تقسیم میں اضافہ کردیا تھا۔ جان ڈسٹلریز میں سیلز کے نائب صدر وجے کوٹھیکر نے بتایا، ''بیئر، وائن، ہلکے الکوحل مشروبات، سنگل مالٹ جیسی مصنوعات کا استعمال بڑھا ہے۔'' ان کا مزید کہنا تھا، ''1990 کی دہائی میں بھارت میں کھانے پینے کا کوئی اچھا کلچر نہیں تھا اور کچھ کلب یا ریستوراں شراب پیش کرتے تھے، لیکن آج ملک بھر کے تمام بڑے اور چھوٹے شہروں میں یہ روایت بن چکا ہے۔''

غیر قانونی الکوحل اب بھی بہت بڑا مسئلہ: الکوحل کمپنیوں کی مصنوعات کی کھپت میں اضافے کے باوجود ملک میں غیر قانونی طور پر تیار کردہ الکوحل سے متعلق مسائل بڑے پیمانے پر موجود ہیں۔ غیر قانونی شراب بھی اس جنوبی ایشیائی ملک میں ایک انتہائی منافع بخش صنعت بن گئی ہے۔ ایسے شراب فروش کوئی ٹیکس ادا نہیں کرتے ہیں اور اپنی مصنوعات کی بھاری مقدار غریب شہریوں کو سستے نرخوں پر فروخت کرتے ہیں۔ غیر قانونی شراب سے اموات بھارت میں معمول کی بات ہے اور ہر سال سیکڑوں افراد غیر معیاری شراب پی کر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ نیشنل کرائم ریکارڈ بیورو کے مطابق 2016 سے 2020 کے درمیان بھارت میں غیر قانونی شراب پینے کی وجہ سے 6172 افراد ہلاک ہوئے۔ انٹرنیشنل اسپرٹ اینڈ وائن ایسوسی ایشن آف انڈیا کا اندازہ ہے کہ ملک میں ہر سال استعمال ہونے والی پانچ ارب لیٹر شراب میں سے تقریباً 40 فیصد غیر قانونی طور پر تیار کی جاتی ہے۔ شراب کی تاثیر بڑھانے کے لیے اکثر میتھانول استعمال کی جاتی ہے۔ اگر میتھانول کا استعمال کیا جائے تو یہ اندھے پن، جگر کو پہنچنے والے نقصانات اور موت کا سبب بن سکتا ہے۔ **(بحوالہ ڈی ڈبلیو ڈاٹ کام)**

دینی مدارس کی بقا و استحکام کیلئے ہمیں کیا کرنا چاہئے

ایاز احمد چیئرمین نیتی فاؤنڈیشن

حساب و کتاب کے متعلق:
ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور مبنی بر حقیقت ہے کہ اسلام ایک مکمل دین اور منظّم دستور حیات ہے۔ تنظیم وتہذیب ہر شعبۂ زندگی کو محیط ہے ورنہ تکمیل کا کوئی مطلب نہیں، خواہ انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی، ہر ایک میں حقانیت وشفافیت مطلوبِ دین ہے، یہی وجہ ہیکہ شریعتِ اسلامیہ نے تمام مخلوقات کے حقوق سے بحث کی ہے، ساتھ ہی ساتھ ادائیگی حقوق اور معاملات زندگی کو استوار رکھنے کے لئے دلائل وشواہد اختیار کرنیکی بھی وکالت کی ہے، لہذا امت مسلمہ کا فریضہ ہے کہ معاملات کو صاف وشفاف رکھیں۔

بہت سے معاملات بغیر حساب کے ناقص اور مجہول ہونیکی وجہ سے قانون کی گرفت میں آتے ہیں، اس لئے حساب وکتاب کے صفائی وستھرائی لازمی و ضروری ہے۔ آئین ہند کا دفعہ نمبر ۳۰/جسے آرٹیکل تھرٹی کہتے ہیں، تمام باشندگان ہند کو اپنے مذہبی ادارے کھولنے اور چلانے کا حق فراہم کرتا ہے، لیکن جب آپ ادارہ قائم کرتے ہیں تو اس پر ادارہ کے قوانین بھی نافذ ہوتے ہیں، ان قوانین پر کاربند رہتے ہوئے مذہبی ادارہ چلانے کی آزادی ہوتی ہے۔ اس لئے حکومت، آئین ہند کے تحت ادارہ کے نظم وضبط اور حساب و کتاب کی انکوائری کا حق رکھتی ہے۔ جس کے لئے تمام آمد وخرچ کا اندراج کس طرح سے کیا جائے کہ وہ آسان بھی ہو اور حکومت کی نظر میں قابل اعتماد بھی، تو اس سلسلہ میں عرض ہیکہ حساب صرف آمد وخرچ کا رکھا جاتا ہے، لیکن یہ آمد وخرچ کے الفاظ جتنے مختصر ہیں اسکے معانی اتنے ہی طویل ہیں۔

آیئے پہلے آمد کا اندراج سمجھتے ہیں، آمد کے اندراج کیلئے کم از کم ۲/رجسٹر کی ضرورت پڑے گی ایک تفصیلی دوسرا قدرے اجمالی۔ تفصیلی رجسٹر میں آمد کی پوری تفصیل لکھیں گے جو کچھ رسید پر درج ہے بالترتیب تاریخ وار درج کرلیں گے، رجسٹر ایسا ہونا چاہئے جسکے کاغذ عمدہ ہوں، آمدات کا اندراج کرنے کے بعد مدات کے اعتبار سے ہر ماہ کی کل آمدات ماہ کے آخری صفحہ پر گوشوارہ کے طور پر درج کریں گے، اس آخری صفحہ کو ماہانہ گوشوارہ کہا جائے گا۔

اندراج کے وقت دھیان رکھنا چاہیے کہ جو چیک یا ٹرانسفر جس تاریخ کو بینک میں جمع ہوا ہے اسی تاریخ میں درج ہو، آگے پیچھے ہونے سے آڈٹ یا اسکوٹنی کے وقت پریشانی ہوسکتی ہے، نیز رسید اگر نقد روپیوں کی بنا رہے ہوں تو دو ہزار سے زائد کی نہ بنائیں۔ اسی طرح اگر کوئی آمد اشیاء کی شکل میں ہوئی ہے تو تفصیلی رجسٹر میں اسے اشیاء ہی کی شکل میں لکھا جائے، فروخت کرنے کے بعد رقم میں تبدیل کی جاسکتی ہے۔

اب آیئے مصارف کے سلسلہ میں جانتے ہیں مصارف کے لئے تین رجسٹر وں کی ضرورت پڑیگی (۱) آمدنی رجسٹر (۲) اخراجات رجسٹر (۳) تنخواہ رجسٹر، نیز بینک سے ادائیگی کی شکل میں الگ رجسٹر بنائیں، جس کے اندر چیک کے مدات کی تفصیلات موجود ہوں۔

مصارف کے تفصیلی رجسٹر میں یومیہ اخراجات بالتفصیل درج کریں گے اور صرفہ کا ثبوت واؤچر نمبر (خریدے ہوئے سامان کا بل) کی شکل میں درج کریں گے اگر کسی صرفہ کا واؤچر نہیں ہے تو بنائیں گے، ہر واؤچر پر مہتمم یا ناظم کا دستخط ہوگا، اگر کوئی صرفہ گذشتہ تاریخوں میں ہوا ہے تو اس واؤچر پر الگ سے اندراج کے دن کی تاریخ اور ''مد'' بھی لکھیں گے۔ مصارف کے اندراج کا رجسٹر بھی لیزر کاغذ یا اس کے مساوی کاغذ والا ہو تو بہتر ہوگا، اندراج کرتے وقت اور واؤچر بناتے وقت خیال رکھا جائے کہ نقد کی صورت میں دس ہزار (۱۰۰۰۰) روپیوں سے زائد کی ادائیگی ایک ہی تاریخ میں کئی نہ دکھائی جائے، اگر ادائیگی چیک یا ٹرانسفر کے ذریعہ ہو تو پھر ادائیگی رقم کے لئے کوئی قید نہیں جتنی رقم ادا کرنا چاہیں کرسکتے ہیں۔ مصارف کے مکمل تفصیلات رجسٹر میں موجود ہو، مصارف، اخراجات رجسٹر میں مدوار، تاریخ وار، ماہانہ کے اعتبار سے اندراج کریں، اور آخر سال میں سالانہ ایک صفحہ پر مدوار، ماہ وار، سالانہ حساب درج کردیں گے، آمدنی رجسٹر واخراجات رجسٹر آڈٹ کے وقت بہت کام آئیں گے ۔، تیسرا رجسٹر تنخواہ ہے یہ عام طور پر دستیاب ہے مگر اس رجسٹر پر تمام اساتذہ وملازمین کے دستخط لازم ہیں۔ اور تنخواہ کو بینک کے ذریعہ ادا کریں، نقد دینے سے پرہیز کریں۔

آڈٹ کے لغوی معنی سننے کے ہیں، پہلے زمانے میں حساب چھوٹا ہوتا تھا تاجر بولتا جاتا آڈیٹر سن کر لکھتا جاتا اور مکمل حساب اندراج کر کے نفع ونقصان بتادیتا ، جب تجارت نے رفتار پکڑی اور جمہوری نظام میں ٹیکس کا رواج بڑھا تو حکومت کی جانب سے ہر ایک کو حساب کتاب کا مکلّف بنایا گیا اور اس حساب وکتاب کی جانچ پڑتال کیلئے ابتداً افراد متعین کئے گئے اور آگے چل کر جانچ پرکھ کرنے والے افراد تیار کرنے کیلئے چارٹرڈ اکاؤنٹینٹ کے شعبے قائم کئے گئے، اب حکومت اسی حساب کو منظوری دیتی ہے یا قبول کرتی ہے، جو سند یافتہ سی اے CA (چارٹرا اکاؤنٹینٹ) کے ذریعہ تیار کیا گیا ہو، اس لئے آڈٹ کے واسطے CA کی ضرورت لازمی ہوگئی۔

آڈٹ کے لئے ضروری دستاویز آڈٹ کرانے کے لئے ضروری ہے کہ ادارہ جس نام سے رجسٹرڈ ہے اس کا پین کارڈ، بینک اکاؤنٹ، پاس بک، ٹرسٹ یا سوسائٹی کی ٹرسٹ ڈیڈ رجسٹریشن فارم، ٹرسٹیوں کے آدھار کارڈ، پین کارڈ، ایک ایک فوٹو، غیر منقولی ومنقولی تمام جائداد کی تفصیل حتی کہ فرنیچر، گاڑی، پنکھے اور بلڈنگ وغیرہ کی موجودہ قیمت یا ویلو، آمد صرف کی تفصیلی رپورٹ، یہ تمام چیزیں پہلی بار آڈٹ کرانے کے لئے درکار ہیں، اس کے بعد صرف آمد صرف کا حساب آڈیٹر کو دکھانا ہوتا ہے، آڈیٹر پہلی بار تمام تفصیلات جان کر بیلنس شیٹ تیار کرتا ہے، جس میں جملہ املاک آمد وصرف درج کرتا ہے، پھر اس پر اپنا تجزیہ پیش کرتے ہوئے رپورٹ سناتا ہے کہ میری جانکاری کے مطابق جو مجھے بتائی گئی یہ رپورٹ میں نے تیار کی ہے۔ اسی رپورٹ کو آڈٹ رپورٹ کہتے ہیں۔ آڈیٹر جو بیلنس شیٹ پہلی بار بناتا ہے اسی کو بنیاد بنا کر آئندہ جب کوئی نئی تعمیر یا خرید آراضی ہوتی ہے، اسی میں غیر منقولی جائداد کے طور پر شامل کرتا ہے، آڈیٹر دو کاغذ ہر سال الگ الگ ضرور بناتا ہے (۱) مصارف (۲) وصولی واخراجات۔ پہلے پرچہ میں مصارف اور آمد دونوں مجموعی اعتبار سے برابر ہوتے ہیں جبکہ دوسرے پرچہ میں وصولی واخراجات ہوسکتے ہیں اکثر وبیشتر اخراجات وصولی سے بڑھ جاتے ہیں جسے قرض دکھا کر برابر کیا جاتا ہے۔

مدارس اسلامیہ اور قانونی پہلو : معزز علماء کرام وذمہ داران مدارس! دور حاضر میں مدارس کا ایک وسیع سلسلہ دراز تر ہوتا چلا جارہا ہے، جدھر دیکھیئے مدارس کا سیل رواں نظر آتا ہے جو اگر شرعی مقاصد کی تکمیل اور احیاء دین کے مقصد سے ہو تو ایک خوش آئند بات ہے؛ لیکن دوسری طرف ملک کے حالات بہت تیزی سے بدل رہے ہیں، مسلمانوں اور خصوصاً مدارس کے تئیں حکومت کا نظریہ افسوسناک حدتک بڑھ کر اہل مدارس کی تشویش اور بے چینی کو دوچند کررہا ہے۔ آئے دن مدارس پر منفی تبصرے اور طرح طرح کی الجھنیں پیدا کر کے قانونی شکنجے میں جکڑنے کی کوششیں کی جاری ہیں، ایسی صورت حال میں کیا ہمیں سر جوڑ کر اپنی حفاظت کے سامان نہیں کرنے چاہئے؟ ملک کی بعض ریاستوں میں دینی مدارس اسلامیہ کے سروے کا کام شروع ہوگیا ہے، اور یہ ہر جگہ موضوع بحث ہے، اللہ کے فضل وکرم سے ابھی بہار حکومت کی جانب سے اس طرح کے کوئی ہدایات جاری نہیں ہوئی ہے، مگر آنے والے دنوں میں یہ اندیشہ ہے کہ ملک میں جس طرح کا ماحول قائم ہے ہوسکتا ہے ہر ایک صوبہ میں مدارس کے سروے کا کام شروع کردیا جائے، بہار مین ابھی اس طرح کی کوئی بات نہیں ہے، اللہ کی ذات سے امید کی جاتی ہے کہ آئندہ آنے والے دن بھی اچھے رہیں گے۔ مگر پھر بھی ذمہ داران مدارس کو جہاں سروے کا کام ہورہا ہے، اس سے سبق حاصل کرنے کی ضرورت ہے، اور وقت رہتے ہوئے ہر طرح کی تیاری بھی ضروری ہے۔

سروے کے متعلق سوالات سامنے ہیں، مدارس ملحقہ اور مدارس نظامیہ دونوں کے ذمہ داروں کو چاہئے کہ وہ اپنے ادارے کو سوالات سے ملا کر دیکھ لیں، کسی طرح کی کمی نظر آئے تو اس کو ابھی سے مکمل کرنے کی کوشش کریں، تاکہ وقت پر دشواریوں کا سامنا نہ کرنا پڑے، مگر غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ہم دستور ہند میں دیئے گئے اختیارات کی روشنی میں قوانین کو کس حد تک پورا کررہے ہیں؟ تو آیئے ذرا ایک نظر آئین ہند کی دفعات پر ڈالتے ہیں۔

آئین ہند کی دفعہ ۲۹/میں درج ہے، ''بھارت کے علاقہ میں یا اس کے کسی حصہ میں رہنے والے شہریوں کے کسی طبقہ کو جس کی اپنی الگ جداگانہ زبان ، رسم الخط یا ثقافت ہو اسکو محفوظ رکھنے کا حق ہوگا۔ اس سے آگے دفعہ ۳۰/میں درج ہے۔ تمام اقلیتوں کو خواہ وہ مذہب کی بنیاد پر ہوں یا زبان کی اپنی پسند کے تعلیمی ادارے قائم کرنے اور انکا انتظام کرنے کا حق ہوگا۔ دفعہ ۲۶/میں اس پر ایک قید کا اضافہ ہے وہ یہ کہ ''اس شرط کے ساتھ کہ امن عامہ، اخلاق عامہ اور صحت عامہ متاثر نہ ہوں ہر ایک مذہبی فرقے یا اس کے کسی طبقے کو حق ہوگا۔ (الف) مذہبی اور خیراتی اغراض کیلئے ادارے قائم کرنے اور چلانے کا (ب) اپنے مذہبی امور کا انتظام خود کرنے کا الخ۔ اس کے علاوہ دفعہ ۱۹/اور ۲۵/میں بھی تمام طبقوں کے لئے مذہبی آزادی کے ساتھ، مذہبی اور تعلیمی ادارے قائم کرنے کی آزادی کو بیان کیا گیا ہے۔

اب غور کرنے کی بات یہ ہیکہ آئین ہند میں ہمیں جو آزادی اور اختیارات دیئے گئے ہیں کیا انکی بنیاد پر ہم ہر طریقے سے آزاد ہیں؟ کیا اب ہم قانون کی دسترس سے باہر ہیں؟ کیا اب ہم سے کسی بھی طرح کی کوئی باز پرس نہیں کی جاسکتی؟ اگر ہم تھوڑی سے بھی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں تو ہم سب کی طرف سے ایک مجمل سا جواب یہی ہوتا ہے کہ نہیں ہم آزاد نہیں ہیں، بلکہ ملک کے آئین کے پابند ہیں اور مدارس کے تعلق سے ہمارے لئے قانونی پہلوؤں کو پورا کرنا ضروری ہے؛ لیکن مدارس کے تعلق سے وہ قانونی پہلو ہیں کیا؟ آج ہم سب کو انہی پہلوؤں پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

مدارس اسلامیہ کے تعلق سے قانونی معلومات کو ہم نے تین حصوں پر تقسیم کیا ہے۔ (۱) مدارس کی زمین سے متعلق مسائل وقانونی پہلو (۲) مدارس کے رجسٹریشن سے متعلق مسائل (۳) آمد وخرچ اور آڈٹ سے متعلق مسائل تفصیلات سے پیش کئے جائیں گے۔

عنوان (۱) ''زمین سے متعلق قانونی پہلوؤں پر'' معلومات پیش کئے جارہے ہیں اصل عنوان پر آنے سے پہلے جاننا ضروری ہیکہ زمین سے متعلق آگے ذکر کئے جانے والے مسائل اُسی زمین پر جاری ہوں گے جسکی رجسٹری آپ کے یا ادارے کے نام پر ہو۔

رجسٹری کی تعریف: ۔جائداد خریدتے وقت دستاویزات کے ذریعے قدیم مالک کا نام ہٹوا کر اپنے نام کروانے کی کارروائی کو رجسٹری کہتے ہیں، زمین پر کوئی بھی تعمیر یا تصرف کرنے کیلئے پہلے رجسٹری کا ہونا ضروری ہے، اور رجسٹرار اس کاروائی کو انجام دیتا ہے، طریقۂ کار وہی ہے جو عام زمینوں کی رجسٹری کا ہوتا ہے۔

سوال: ۔کیا کسی بھی ادارہ کی زمین کی رجسٹری شخصی نام پر درست ہے؟

جواب: ۔ بالکل نہیں !ادارہ کی زمین کا شخصی نام پر رجسٹری ہونا نہ تو شرعاً درست ہے نہ قانوناً۔

شرعا تو اسلئے نہیں کہ مدارس ومساجد شرعاً یا تو وقف کے دائرے میں داخل ہوں گے یا نہیں، انہی دو پہلوؤں پر تبصرہ کرتے ہوئے (مدارس اسلامیہ اور جدید کاری کے تصورات) نامی کتاب میں اسطرح تبصرہ کیا گیا ہے کہ ''حضرات فقہاء کرام مدارس ومساجد کی ہر جائداد کو وقف نہیں کہتے ، وقف کی اصطلاحی طور پر وقف نہیں کہا جائے گا، ایسی جائداد کو مدارس ومساجد کی ملکیت یا عوامی ملکیت قرار دیا جائے گا، ان پر کسی انسان کا مالکانہ تصرف قائم کرنا جائز نہیں ہے'' (مدارس اسلامیہ اور جدید کاری کے تصورات ص ۱۵۱)

معلوم ہوا کہ یہ ادارے قوم کی امانت وملکیت ہیں ذاتی جائداد نہیں، اور عقل بھی تو اس بات کو تسلیم نہیں کرتی کہ قوم کے پیسے سے بنے ہوئے ادارے آپ کی ملکیت کیسے ہوسکتے ہیں؟ قانوناً آپ کو اختیار ہے کہ آپ کوئی ٹرسٹ یا سوسائٹی اپنے نام سے بنا کر ادارہ کو اسکے ماتحت بنادیں، لیکن فرد واحد کے نام پر ادارہ کا قیام قانونا درست نہیں ہے، اسی لئے قانوناً کوئی بھی ادارہ ذاتی نام پر رجسٹرڈ نہیں کیا جاسکتا، ورنہ وہ ادارہ نہیں آپ کی ذاتی ملکیت ہوگا اور ذاتی ملکیت کے لئے چندہ کرنا قانونا جرم ہے، پس چندہ کرنے کی صورت میں آپ قانونا مجرم بھی قرار پائیں گے۔ واضح رہے کے ہندوستان میں مدارس کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں، اگر ادارہ کی زمین مملوکہ ہے تو ادارہ کے معتبر ہونے کیلئے اس کا ٹرسٹ وغیرہ کے تحت رجسٹریشن ہونا ضروری ہے۔

(۱) اگر آپ کا ادارہ وقف ہے تو قانون اوقاف کے رکارڈ میں اسکا موجود ہونا ضروری ہے، اس پر اوقاف کے قانون کے مطابق ہی عمل کرنا ضروری ہوگا۔

(۲) اور اگر ادارہ کی زمین کرایہ پر ہو تو ادارہ کا کرایہ کے طور پر ہی رجسٹریشن، اور اسمیں ماہانہ/سالانہ جو بھی کرایہ طے ہوا سکی رسید کا موجود ہونا ضروری ہے تاکہ ضرورت پڑنے پر ثبوت میں پیش کی جاسکے۔

آزاد ہندوستان میں مسلم خواتین کا حال

عارف عزیز (بھوپال)

کسی بھی ملک کی تعمیر وترقی میں عورتوں کا مردوں کے برابر حصہ ہوتا ہے، مردوں کے ساتھ عورتیں بھی سماجی اور اقتصادی میدان میں مردوں کے شانہ بہ شانہ کام کر کے آگے بڑھ سکتی ہیں، جن معاشروں میں ترقی کی رفتار سست ہوتی ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ ان میں عورتوں کو آگے بڑھنے کے پورے مواقع میسر نہیں ہیں، جہاں تک ہندوستان کے عام معاشرہ کا تعلق ہے تو اس میں عورتوں کی حصہ داری، دن بدن بڑھ رہی ہے لیکن مسلم معاشرہ کے بارے میں ایسا کوئی دعویٰ کرنا اس لئے سچ نہیں ہوسکتا کہ مسلمان خود ہر مورچہ پر پچھڑتے جارہے ہیں، اسی تناسب سے ان کی عورتیں بھی دوسرے سماجوں سے کافی پیچھے ہیں، عام طور پر اس کی وجہ مذہبی بتائی جاتی ہے جبکہ یہ خالصتاً اقتصادی وسماجی مسئلہ ہے، اس سچائی کو بہتر طور پر سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اسلام مذہب کی عورتوں کے بارے میں تعلیم پر ہم نظر ڈال لیں۔

اسلام دنیا کا پہلا مذہب ہے جس نے عورت کو مرد کے برابر مقام دیا ہے بلکہ سماج کی تشکیل میں عورت کو مرد سے زیادہ اہمیت دی ہے، اسلام کی نظر میں عورت معمار اول کا درجہ رکھتی ہے، عورت اور مرد انسانیت کی گاڑی کے دو پہیے ہیں، کسی ایک پہیے کے بغیر انسانیت کی ترقی وعروج کا تصور نہیں کیا جاسکتا، قرآن حکیم نے عورت کے حقوق اور معاشرہ میں اس کی اہمیت پر بہت زور دیا ہے اور جو بھی احکامات دیئے ہیں، ان میں عورت اور مرد دونوں برابر کے شریک ہیں، ایک موقع پر اردو کے معروف اسکالر اور شاعر علامہ اقبال نے کہا تھا کہ ’’قرآن کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس میں عورتوں کے حقوق اور ان کی اہمیت پر اتنا زور دیا گیا ہے کہ گویا یہ کسی عورت کا کلام ہو، ان حقوق واختیارات کی لسٹ کافی طویل ہے لہذا ان کے عنوانات پر ہی نظر ڈال لینا کافی ہوگا، اسلام نے مرد اور عورتوں میں حقوق کی مساوات رکھی ہے، عورت کی مستقل حیثیت کو تسلیم کیا ہے، سزا اور معافی میں مرد اور عورتوں کو برابر رکھا ہے، عورت دشمن کو پناہ دینے کا اختیار رکھتی ہے عورت کو اپنے شوہر کے انتخاب کے ساتھ ساتھ وراثت میں بھی حق ہے، جو اسے ماں باپ اور شوہر دونوں کی طرف سے ملتا ہے۔ اسی طرح مسلم عورت کو عزت وآبرو کی حفاظت کا حق، نکاح سے گلوخلاصی کا حق اور علم حاصل کرنے کا حق ہے جس کے تحت عورت مذہبی اور عام تعلیم اسی طرح حاصل کرسکتی ہے، جس طرح مرد حاصل کرتے ہیں، اسلام جہیز دینے کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا پھر بھی جو لوگ دیتے ہیں وہ لڑکی کے لئے ہوتا ہے جبکہ دوسرے سماج میں جہیز مردوں کا حق ہوجاتا ہے، اسلام نے عورتوں کی جسمانی (فزیکلی) کمزوری کا اندازہ لگا کر انہیں خاوند اور اولاد کے علاوہ، خاندان کے دوسرے افراد کی خدمت سے مبرا رکھا ہے، یہاں تک کہ عورت پر گھر کے کام وکاج کی ذمہ داری بھی عائد نہیں ہوتی، ایسے مثالی حقوق واختیارات کے باوجود مسلم عورتیں اگر آج پسماندگی کا شکار ہیں اور ان سے ہمدردی کے جا و بے جا اظہار کی ضرورت پیش آرہی ہے تو اس کی ایک وجہ تو وہی ہے جو پہلے بیان کی گئی یعنی مسلم قوم کی عام غریبی، مسلم عورتوں کو بااختیار وطاقتور بنانے کے ساتھ ساتھ عام مسلم مردوں کی بدحالی کی فکر بھی ہونا چاہئے، ان کے بھوکے پیٹ، کمزور جسم اور تعلیم سے محروم بچوں کا خیال بھی ضروری ہے کیونکہ اس سچائی سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جب تک عام مسلمانوں کا حال درست نہیں ہوگا، ان کی زندگی کا معیار بہتر نہ بنے گا، نہ انکی عورتوں کی حالت سدھرے گی، نہ وہ اپنے بال بچوں کو پڑھا لکھا سکیں گی۔

آج یہ حقیقت تسلیم کرلی گئی ہے کہ جن فرقوں یا نسلی گروہوں میں آبادی بڑھنے کا تناسب زیادہ ہے، اس کی وجہ عام طور پر ان کی غریبی ہوتی ہے، جس کو دور کیا جانا چاہئے، مسلم خواتین سے ہمدردی جتانے کا ایک بہانہ یہ بھی ہے کہ ایک سے زیادہ شادی کی مسلم پرسنل لاء میں جو اجازت ہے اس پر انگلی اٹھائی جائے لیکن دوسرے سماجوں خاص طور پر پچھڑے آدیباسیوں یا اسی طرح کے دوسرے طبقوں میں یہ رواج مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہے جس کی تصدیق ہوچکی ہے۔ 2018 میں ریاست گجرات کے بارے میں ایک سروے سب کے لئے باعث حیرت ثابت ہوا ہے جس میں بتایا گیا تھا وہاں دوسری بیوی رکھنے کا تناسب دیگر ریاستوں کے مقابلہ میں ہندوؤں میں کافی زیادہ ہے۔

مسلم خواتین کے پچھڑے پن کی دوسری وجہ ان کی غریبی سے پیدا ہونے والی جہالت ہے، اس کی وجہ سے وہ اپنے مذہب کی روشن تعلیمات سے دور ہیں ان کے کام عموماً اسلام اور اس کے ضابطوں کے عام طور پر خلاف ہوتے ہیں، اگر مسلمان اپنے مذہب پر آج کاربند ہوجائیں اور اس کی اخلاقی قدروں کو اپنالیں تو اس سے ان میں خواندگی بڑھے گی کیونکہ اسلام نے تعلیم پر سب سے زیادہ زور دیا ہے وہیں سماج میں عورتوں کے اہمیت میں بھی اضافہ ہوگا، آج قانون ساز اداروں میں خواتین کے لئے ریزرویشن کا مطالبہ ہورہا ہے اور اس بارے میں دلیل یہ دی جارہی ہے کہ ہندوستان کے ڈیموکریٹک سسٹم میں ان کو پورا حق نہیں مل پارہا ہے، مگر عام عورتوں کے مقابلہ میں مسلم عورتوں کی پس ماندگی کسی سے چھپی نہیں ہے تو پھر ان کے لئے بھی ایسے انتظام پر غور کیوں نہیں کیا جاتا کہ وہ بھی اپنی آبادی کے تناسب میں چن کر پارلیمنٹ، اسمبلی اور پنچایتوں میں پہونچ سکیں کیونکہ عام عورتوں کیلئے ریزرویشن کا فائدہ مسلم عورتوں کو ملنا موجودہ حالات میں ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے، میرا تو یہ بھی کہنا ہے کہ آزاد ہندوستان میں ہمدردی کی مستحق مسلم خواتین ہی نہیں عام عورتیں بھی ہیں، ان کے مسائل اور عام عورتوں کے مسائل میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے، ہمارے سماج میں عورتوں کو نظر انداز کرنے کی روایت صدیوں پرانی ہے اور آج اس کے نئے نئے طریقے سامنے آرہے ہیں، یہاں لڑکی کے ساتھ اس کی بدسلوکی شروع ہوجاتی ہے، بہت سی لڑکیوں کو ماں کے پیٹ میں ہی پیدائش سے پہلے قتل کردینا اب کئی گھرانوں کا رواج بن گیا ہے جس کی وجہ سے عورتوں کی آبادی کم ہورہی ہے اس کے علاوہ بچپن سے لیکر جوانی تک لڑکیوں کی دیکھ بھال ان کی تعلیم، صحت اور ترقی وبہتری کے مختلف پہلوؤں کو نظر انداز کردینے کی روایت عام ہے، اس میں ہندو مسلم کی قید نہیں، بچپن میں شادی کی روک تھام کے قانون کے باوجود شمالی ہند کی کئی ریاستوں میں یہ رسم آج بھی پھل پھول رہی ہے، بہت سے کنبوں میں لڑکیوں کی تعلیم کو یہ کہہ کر ٹال دیا جاتا ہے کہ لڑکی کو تو دوسرے خاندان میں جاکر گھریلو عورت کی ذمہ داریاں سنبھالنا ہے لہذا اس کو اسکول بھیجنا فضول ہے، اس حقیقت کو وہ نظر انداز کردیتے ہیں کہ تعلیم حاصل کرکے ان کی بیٹی ایک اچھی بیوی اور ماں بن سکتی ہے۔ ہندوستانی سماج میں جہیز کی روایت اسی بات کو ظاہر کرتی ہے کہ عورت مرد سے کمتر ہے، اس بری رسم کی وجہ سے دلہنیں آگ کا ایندھن بن رہی ہیں، عورت کی حیثیت فریج، ٹی وی، اسکوٹر اور کار سے بھی کم ہوگئی ہے جس کے جہیز میں نہ ملنے سے اسے خودکشی پر مجبور کردیا جاتا ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ ہمارے سماج نے جہیز، ستی، تلک اور عصمت دری جیسی سماجی برائیوں کی روک تھام نہ کی ہو، جو عورتوں کو دوسرے درجہ کا شہرہ بنادیتی ہیں، آزادی کے بعد متعدد قانون بنائے گئے، جن کا مقصد عورتوں کے ساتھ جانبداری کو ختم کرنا تھا لیکن اگر قانون بنانے سے ہی عورتوں کا رتبہ بلند ہوجاتا تو آج ان کی صورت حال اچھی ہوتی۔ اب تک کے تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قانون اسی وقت کامیاب ہوتا ہے جب ان کے بارے میں سماج میں بیداری ہو۔

کوئی ملک اور سماج کتنے مہذب معاشرہ کا حامل ہے، اس کا اندازہ چار باتوں سے لگایا جاسکتا ہے، اتفاق سے یہ چاروں باتیں عورت سے متعلق ہیں۔ پہلی بات آبادی یعنی مردوں اور عورتوں کا تناسب کیا ہے؟ دوسری بات عورتوں میں خواندگی کتنی ہے؟ تیسری زچگی کے دوران کتنی عورتیں موت کا شکار ہوجاتی ہیں؟ چوتھی زچگی کیلئے سہولتیں کیا کیا ہیں؟ افسوس یہ ہے کہ ہندوستان میں ان چاروں باتوں کے بارے میں وہ سمجھ پیدا نہیں ہوسکی جو ضروری تھی لہذا عورت کسی فرقہ اور مذہب سے تعلق رکھتی ہو اس کے مسائل ومشکلات ایک جیسی ہیں اور ان پر ایک ساتھ توجہ دینا چاہئے اور اس بارے میں صرف قانون بنادینا یا ان میں تبدیلی لانا کافی نہ ہوگا کیونکہ جو قانون موجود ہیں اگر ان کا صدق دلی سے نفاذ ہوجائے تو آج صورت حال بہتر ہوسکتی ہے۔

شرعی احکام کی حکمتیں

مدثر احمد قاسمی

کسی کام کو حالات، وقت اور تقاضا کے مطابق پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور اس کے بہتر نتائج اور فائدے بھی سامنے آتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موقع کی مناسبت اور نزاکت کو سامنے رکھتے ہوئے انجام دیئے گئے کاموں سے عوام نہ صرف بڑے پیمانے پر مستفید ہوتے ہیں بلکہ اُن کی زندگیوں میں ان سے کافی آسانیاں بھی پیدا ہوتی ہیں۔ یہی وہ بنیاد ہے جس کی وجہ سے اسلام میں انسانی ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے حالات، وقت اور تقاضا کے مطابق احکامات جاری کئے جاتے ہیں۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ اصولی طور پر رمضان کے روزے ہر عاقل بالغ پر فرض ہیں لیکن اسی کے ساتھ حالت اور ضرورت کے مطابق بیماروں اور مسافروں کے لئے اس میں رخصت ہے کہ جو روزے اِن علتوں کی بنیاد پر چھوٹ جائے ان کو بعد میں رکھ لیں۔ غور کریں کہ اگر بہرصورت رمضان کے روزوں کو لازم قرار دیا جاتا تو بیمار اور مسافر مشکل میں پڑ جاتے لیکن یہ اسلام کی خوبصورتی اور امتیاز ہے کہ سب کو ایک لاٹھی سے ہانکنے کے بجائے حالات کے مطابق احکامات جاری کرنے کا یہاں ایک منظّم اور منضبط نظام ہے، راقم الحروف ایک دفعہ بقرعید کی نماز ادا کرنے ایک مسجد گیا، وہاں مسجد سے باہر بھی کھلے آسمان کے نیچے کافی تعداد میں بوڑھے، بچے اور جوان موجود تھے اور سخت گرمی و چلچلاتی دھوپ میں پسینے سے شرابور اور پریشان تھے۔ چونکہ اندرونی حصے میں پنکھے بھی چل رہے تھے اور چھت کا سایہ بھی تھا اس وجہ سے امام صاحب کے ذہن سے باہر میں گرمی کی شدت والی بات نکل گئی اور نماز نسبتاً لمبی ہوگئی مزید براں اس کے بعد دعا سے پہلے لمبے خطبے اور چندے کے سلسلے نے لوگوں کو مزید بے چین کردیا اور دھوپ سے پریشان لوگوں نے چہ می گوئیاں شروع کردیں۔ دریں اثنا حالات اس وقت اور ناگفتہ بہ ہوگئے جب ایک بچہ گرمی کی تاب نہ لاکر بے ہوش ہوگیا۔

اس واقعہ کے تذکرہ سے ہرگز کسی پر تنقید مقصد نہیں ہے بلکہ شریعتِ مطہرہ نے اس تناظر میں جو ہدایات جاری کی ہیں اس کا دُہرانا پیشِ نظر ہے۔ دیگر شعبوں کو اگر چھوڑ دیں اور صرف نماز کے باب کا ہی مطالعہ کریں تو نماز کو حالات اور تقاضے کے مطابق مختصر اور طویل کرنے کے تعلق سے بے شمار روایتیں ہمیں احادیث کے ذخیرہ میں ملتی ہیں۔ چنانچہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’اگر تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے مختصر کرے کیونکہ ان میں کوئی بیمار، ناتوان اور بوڑھے بھی ہیں اور جب اکیلا اپنے لئے نماز ادا کرے تو جتنا چاہے اسے لمبا کرے۔‘‘ (صحیح بخاری: ۷۰۳) اسی طرح ایک اور روایت میں ہے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’میں جب نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو میں اسے لمبا کرنا چاہتا ہوں۔ پھر بچے کا رونا سنتا ہوں تو میں اس کی ماں پر مشقت کو ناپسند کرتے ہوئے اپنی نماز کو مختصر کر دیتا۔‘‘ (متفق علیہ)

مذکورہ دونوں احادیث میں تقاضے کے مطابق نماز کو مختصر کرنے کی تعلیم ہے اور اس تعلیم پر ہر اس وقت عمل کیا جائے گا جب جب ضرورت پیش آئے گی۔ اسی کے ساتھ ہمیں یہ یاد بھی رکھنا چاہئے کہ جب حالات سازگار ہوں، اُس وقت سنت کے مطابق نماز میں قرات ہونی چاہئے، بلاضرورت امام صاحب کو مختصر نماز پڑھانے کے لئے آمادہ کرنا اور اُن پر دباؤ بنانا بھی بالکل مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ امام صاحب اپنی مرضی کے مطابق ایسا نہیں کرتے ہیں بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز پڑھانے کے لئے ایسا کرتے ہیں، یہاں ہم سب کے ذہن میں یہ بات ضرور رہے کہ جس طریقے سے ہم دنیاوی کاموں کے لئے معقول وقت نکالتے ہیں اور اُس وقت تک اُس میں لگے رہتے ہیں جب تک کہ وہ صحیح ڈھنگ سے مکمل نہ ہوجائے؛ اسی طریقے سے ہمیں دینی کاموں کے انجام دہی کے لئے بھی معقول وقت نکالنا چاہئے اور خانہ پُری والے طرزِ عمل سے باہر آنا چاہئے کیونکہ ہمارے اس دنیا میں آنے کا مقصد ہی عبادتِ الٰہی ہے۔

موضوع کی مناسبت سے یہاں ایک عوامی رجحان کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ کچھ لوگ امام حضرات اور مسجد کے منتظمین پر تنقید کرنا اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں اور بلا ضرورت بھی کچھ نہ کچھ بول کر مسجد کے ماحول کو غیر سنجیدہ بنادیتے ہیں؛ اس سے صرف امام صاحب یا منتظمین کو ہی تکلیف نہیں ہوتی بلکہ وہ تمام حضرات جو سکون کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنے اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے لو لگانے آتے ہیں وہ بھی ذہنی خلجان کے شکار ہوجاتے ہیں اور عبادت کا مزہ جاتا رہتا ہے۔ اس تعلق سے معقول طرزِ عمل یہ ہونا چاہئے کہ اگر آپ کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ مسجد میں انجام پانے والا کسی عمل یا کام میں تبدیلی کی ضرورت ہے تو آپ ماحول کو ہنگامہ خیز بنانے کے بجائے ذمہ داروں سے بات کریں؛ اگر آپ کا مشورہ مناسب ہوگا تو وہ حضرات اس پر ضرور عمل کریں گے کیونکہ عوام کی خدمت اور سہولت ہی شب وروز اُن کا اوڑھنا اور بچھونا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ نے زندگی کے ہر شعبے میں حکمت، مصلحت اور سہولت کا جو نظریہ پیش کیا ہے، ذمہ داران ہمیشہ اُن کو پیشِ نظر رکھ کر ہی کسی فریضے کی ادائیگی کو یقینی بنائیں؛ اسی طریقے سے عوام الناس کو چاہئے کہ علماء و ذمہ داران کی عزت کو ہمیشہ ملحوظِ خاطر رکھیں تاکہ جانبین کے تعامل سے ایک خوبصورت اور مطلوبہ اسلامی معاشرہ تشکیل پاسکے۔

اردو زبان کے فروغ میں ہماری ذمہ داریاں

ڈاکٹر سراج الدین ندویؔ

اردو زبان کا فروغ محض ایک زبان کا فروغ نہیں ہے بلکہ ہندوستانی تہذیب وثقافت اور کلچر کا فروغ ہے۔اردو صرف ایک زبان نہیں ہے، بلکہ ایک تاریخ کا عنوان ہے۔اردو دراصل سامراجی استعمار سے آزادی کا نام ہے۔اردو ہندوستانی تاریخ میں ''انقلاب'' کا استعارہ ہے۔اردو زبان حلاوت وشیرینی کا سرچشمہ ہے۔اردو سلیقہ مندی اوروفاشعاری کا ماخذ ہے۔بقول شاعر

میں اردو کا مسافر ہوں یہی پہچان ہے میری
جہاں سے بھی گزرتا ہوں سلیقہ چھوڑ جاتا ہوں

اردو ہندوستان کی اپنی زبان ہے۔ بھارت ہی اس کا اصل مولد اور مسکن ہے۔یہیں پر اس نے جنم لیا۔یہیں پر یہ زبان پلی بڑھی۔ ہمالیہ کی آغوش میں یہ پروان چڑھی۔یہیں کی فضاؤں میں اس نے سانس لی۔ بھارت کی مٹی ہی اس کی غذا بنی۔ یہ گنگا اور جمنا کے آب رواں سے سیراب ہوئی۔

زبان کسی خاص مذہب اور قوم کی ملکیت نہیں ہے جو جس زبان کو بولتا ہے، وہی زبان اس کی اپنی زبان کہلاتی ہے۔کوئی بھی زبان اظہار مافی الضمیر کا ذریعہ ہوسکتی ہے۔اردو مہاتما گاندھی کی زبان بھی تھی اور ابوالکلام آزاد کی بھی ،شہید بھگت سنگھ بھی اردو زبان بولتے تھے اور سید اشفاق اللہ بھی، اردو حقیقت میں تمام ہندوستانیوں کی مشترک زبان ہے۔ ہر انصاف پسند شخص اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ اردو نے ہمارے ملک کے اتحاد وسالمیت اور بقا میں اہم رول ادا کیا ہے۔اس زبان میں حالی، اکبر، نظیر، آنند نرائن ملاّ، چکبست ،رام پرشاد بسمل نے قومی گیت گائے۔اسی زبان میں جگن ناتھ آزاد اور گوپی چند نارنگ نے اتحاد وسالمیت پر کتابیں لکھیں۔اس حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ اردو زبان کے انقلاب زندہ باد کے نعرے نے ہندوستان کی گلی گلی کوچے کوچے میں دھوم مچائی۔ جب یہ نعرہ جذبہ آزادی سے معمور اور پرجوش لہجہ میں کسی ہندوستانی کی زبان سے ادا ہوتا تو سامراجی طاقت تھرتھرانے لگتی اور انگریزوں کو اپنی حکومت ڈگمگاتی ہوئی محسوس ہونے لگتی۔

جب مجاہدین آزادی رام پرشاد بسمل کا یہ شعر گنگناتے

سر فروشی کی تمنّا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

تو انگریزوں پر لرزہ طاری ہوجاتا۔آج بھی کوئی انجمن،کوئی بزم،کوئی تقریب شاید ایسی نہ ملے جس کی فضاؤں میں علامہ اقبالؒ کے اس قومی ترانے کی گونج نہ سنائی دیتی ہو۔

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

اردو زبان کے فروغ ،ترقی وتحفظ اور بقا کے لیے ضروری ہے کہ یہ غلط فہمی دور کی جائے کہ یہ زبان صرف مسلمانوں کی ہے اور مسلمانوں کو بھی یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ یہ صرف ان کی زبان نہیں ہے بلکہ یہ تمام ہندوستانیوں کی زبان ہے۔ چنانچہ آج بھی اردو ہندوستان کے ہر خطہ اور ہر صوبہ میں بولی جاتی ہے۔ یہ کسی مخصوص علاقہ، برادری ،قوم یا نسل کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ اس کا دامن بڑا کشادہ ہے اور اس کا دل بہت بڑا ہے۔اس میں ریشم جیسی نرمی اور شاخ تر جیسی لچک ہے چنانچہ یہ ہر ہندوستان کی زبان ہے۔اردو کی خاص بات یہ ہے کہ اس زبان کے الفاظ ومحاورات کو اردو زبان ہی نے وضع کیا ہے۔

اردو زبان کے فروغ کے سلسلہ میں ہمارے سماج کو اس لیے بھی کوشاں رہنا چاہیے کہ اردو سے تلفظ درست ہوتا ہے اور گفتگو میں نکھار شیرینی اور اثر پذیری پیدا ہوتی ہے۔اس سے آداب گفتگو میں نکھار پیدا ہوتا ہے۔اس کے الفاظ کی نشست وبرخاست سنگیت کا سماں پیدا کرتی ہے۔اُس کے اشعار دل کے تاروں کو چھیڑ کر انسان کو من کی دنیا میں مست کردیتے ہیں۔جب کوئی اردو میں گفتگو کرتا ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے اس کی زبان سے پھول بکھر رہے ہیں اور کانوں میں رس گھل رہا ہے۔اردو کے فروغ کے لیے ہماری سماجی ذمہ داری ہے کہ ہر اردو خواں اردو کو اپنے گھر ،محلّہ اور گردوپیش کی زبان بنائے۔اپنے گھر اردو کا اخبار منگائے ،اردو رسائل اور کتابیں خرید کر لائے۔بہتر ہے ہر گھر میں ایک لائبریری ہو جس میں اردو کی منتخب کتابیں ہوں۔

ایک اہم اور ضروری اقدام یہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کو اردو سے وابستہ کریں، انہیں اردو پڑھائیں، انہیں اردو کہانیاں اور لطیفے سنائیں۔اردو نظمیں اور ترانے یاد کرائیں،ان سے اردو میں پہیلیاں بوجھیں۔

یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے اور ماہرین تعلیم کا بھی یہ ماننا ہے کہ بچوں کی ابتدائی تعلیم ان کی مادری زبان میں ہونی چاہیے،اس سے بچہ کی خوابیدہ صلاحیتیں جلد بروئے کار آتی ہیں۔بچوں کی دلچسپی بڑھتی ہے۔وہ تعلیم کو ایک بوجھ سمجھ کر اس کو ایک دلچسپ مشغلہ سمجھتے ہیں۔اگر بچوں کو تعلیم غیر مادری زبان میں دی جائے تو وہ اس کو ایک بوجھ سمجھتے ہیں۔اس لیے جن بچوں کی مادری زبان اردو ہے ان کو ابتدائی تعلیم اردو میڈیم سے دی جائے۔

اردو کے فروغ کے سلسلہ میں ہماری حکومتوں نے بہت سی اسکیمیں بنائی ہیں۔ ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ وابستگان اردو ان اسکیموں سے بھرپور استفادہ کریں۔

ہماری سماجی ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم اپنے مکانوں، دکانوں ،دفتروں کے سائن بورڈ ہندی اور انگلش کے ساتھ اردو میں بھی تیار کرائیں۔مختلف تقاریب کے دعوت نامے اور وزیٹنگ کارڈ اردو میں بنوائیں۔

ایک موثر کام یہ بھی کیا جانا چاہیے کہ ہر اردو خواں اپنے گردوپیش کے دس افراد کو اردو پڑھانے کا نظم کریں خاص طور پر طلبہ وطالبات کو فوکس کیا جائے۔

اردو اسکولوں اور مدارس کے ذمہ دار اپنے اداروں کی بیرونی دیوار پر ایک بورڈ بنوائیں اور اس پر روزانہ اردو میں ''اقوال زریں'' لکھوانے کا اہتمام کریں۔اس سلسلہ میں ''وال پینٹنگ'' کی مہم چلائی جاسکتی ہے۔

ہماری یہ بھی سماجی ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم خواتین کو نظر انداز نہ کریں،انہیں اردو ضرور پڑھائیں اور گھروں میں اردو بولنے کا ماحول بنائیں کیوں کہ خواتین کی گود میں نئی نسل پروان چڑھتی ہے۔اگر خواتین اردو بولیں گی تو لازماً ان کے بچے اردو بولیں گے۔

اردو کے ماہرین جب اپنے خیالات کا اظہار کریں خواہ تحریری ہو یا تقریری تو اردو ہی کو ذریعہ اظہار مافی الضمیر بنائیں،مضامین، تبصرے، تجزیے اردو ہی میں لکھیں اور تقریریں اردو میں کریں۔

اردو کو روزمرہ کی زبان بنانے کا اہتمام کیا جائے۔اردو زبان ہی میں گفتگو کی جائے کیوں کہ جو زبان بولی جاتی ہے وہ زندہ رہتی ہے۔جس زبان کا رشتہ سماج اور عملی زندگی سے کٹ جاتا ہے تو وہ زبان مردہ ہوکر رہ جاتی ہے۔

آج اردو ایک بین الاقوامی زبان بنتی جارہی ہے۔ یہ ہندو پاک کے علاوہ خلیجی ممالک ،امریکہ اور یورپ کے بہت سے ملکوں میں بولی، لکھی اور پڑھی جاتی ہے۔بقول داغ

اُردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

مختصر یہ کہ اردو زبان کے فروغ کے سلسلہ میں جتنی بھی صورتیں ممکن ہوسکتی ہیں انہیں اپنانا چاہیے۔خصوصاً آنے والی نسل اور گود میں پلنے والے بچوں کو اردو زبان سے آشنا کرنا ضروری ہے تاکہ ان کے لب ولہجہ میں مٹھاس،ان کے اندازِ گفتگو میں کشش اور ان کی معاشرتی زندگی میں سلیقہ وفاشعاری آئے۔بقول شاعر

بات کرنے کا حسیں طور طریقہ سیکھا
ہم نے اُردو کے بہانے سے سلیقہ سیکھا

آیئے اردو زبان کو اپنائیں،اسے فروغ دیں،اسے لکھیں پڑھیں اور عام کریں۔ میں بشیر بدؔر کے اس شعر پر اپنی بات ختم کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

وہ عطر دان سا لہجہ میرے بزرگوں کا
رچی بسی ہوئی اُردو زبان کو خوشبو

ADMISSION OPEN

DARUL ULOOM SONIHAR

Vill+P.o-Sonihar,Distt-Khagaria(Bihar)848201 EMAIL:darululoomsonihar@gmail.com

Course-0 :	PLAY COURSE(Duration-1Year)
Course-1 :	QAIDA COURSE+BASIC SCHOOL(Duration-1Year)
Course-2 :	NAAZRA COURSE+SCHOOL(UP TO CLASS 5) (Duration-1Year)
Course-3 :	HIFZ COURSE+SCHOOL (UPTOCLASS 8) (Duration-3Years)
Course-4 :	DAURA-E-QURAN COURSE (Duratin-1Year)
Course-5 :	COMPETETION SPECIAL COURSE (UP TO CLASS 10) (Duration-2Years)
Course-6 :	COMPUTER COURSE (Duration-3Years)
Founder :	Qari Abu Jafar Rahmani Sb & Maulana Abu Saud Qasmi Sb

یہاں دارالاقامہ کے ساتھ طعام کا عمدہ نظم ہے نیز چوبیس گھنٹے ماہر اساتذہ کی نگرانی میں حفظ قرآن مجید کے ساتھ عصری علوم کی تعلیم ہوتی ہے،داخلہ کے خواہش مند طلبہ 9631640584/7033784709 پر رابطہ کرسکتے ہیں۔

ادھر متوجہ ہوں!

مدرسہ معین الغرباء ناصری گنج ضلع روہتاس(بہار)

مدرسہ ہٰذا ایک قدیم مشہور ومعروف تعلیمی ادارہ ہے،اس ادارہ میں صدر مدرس کے لئے ایک ذی استعداد وباوقار عالم دین کی ضرورت ہے،حسب لیاقت معقول تنخواہ دی جائے گی،شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور یا دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فارغ التحصیل ہوں (۲) کم از کم پانچ سالہ تدریسی تجربات ہوں (۳) کتابی وعلمی قابلیت کے ساتھ ساتھ تقریری صلاحیت کے بھی مالک ہوں (۴) عالم، حافظ وقاری کے ساتھ ساتھ مفتی بھی ہوں تو بہتر ہے، انہیں ترجیح دی جائے گی۔

صدر مجلس منتظمہ مدرسہ ھٰذا

9162014198

سکریٹری:6203411626/7654009858

ہندوستان میں اسپین کی تاریخ دہرانے کی سازش

سید محمد خالد برکتی

مسلمانوں نے جب یوروپ کی سرزمین کو فتح کیا تھا تو اس وقت کی سرفروشی کا یہ عالم تھا کہ مجاہد اعظم طارق بن زیاد نے اسپین کے ساحل پر پہنچنے کے بعد سب سے پہلے اپنی کشتیاں جلادیں تاکہ یہاں سے لوٹنے کا سوال ہی ختم ہوجائے، جب انسانی عزم وارادہ اور یقین اس بلندی کو پہنچ جاتا ہے تو مشیت اس کی معاون بن جاتی ہے، خدا نے اس ملک کو مسلمانوں کے قدموں میں رکھ دیا، انہوں نے وہاں 780 برس تک حکومت کی، مسلمانوں نے وہاں الزہراء اور الحمراء جیسے فن تعمیر کے لاثانی شاہ کار تعمیر کروائے اور قرطبہ یونیورسٹی قائم کی (جہاں یوروپ کے نوجوان آکر سائنس وفلسفے اور حکمت کا درس لیتے تھے) قرطبہ میں ایک عظیم الشان اور دنیا کی خوبصورت ترین مسجد تعمیر کروائی، یہ تمام چیزیں بارہ سو سال بعد بھی اپنے کھنڈروں کی زبان میں اپنی عظمتوں کی کہانی سناتیں ہیں، اتنی شان سے حکومت کرنے کے بعد بھی مسلمان آج وہاں گنتی کے ہی رہ گئے ہیں، ہمیں اسپین کی تاریخ کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے، کہ آخر کیا وجہ رہی کہ اتنے برس حکومت کرنے کے باوجود مسلمان ایک دم زوال پذیر ہوگئے، ہمیں اسپین کی تاریخ کا مطالعہ اس لئے بھی کرنا چاہئے کہ کہیں ہمارے زوال کی گھنٹیاں ہلکے سروں میں نہیں بج رہی ہیں، اور کہیں ہم بھی اندلس کے زوال نصیب مسلمانوں کی راہ پر تو نہیں چل رہے ہیں اور یہ بھی پتہ چلائیں کہ کہیں ہمارے دشمنوں نے اندلس کی تاریخ پڑھ کر اس سے ہماری تباہی اور بربادی کا لائحہ عمل تو تیار نہیں کیا ہے۔

اسپین پر مسلمانوں نے 714ء سے 1492ء تک حکومت کی، لیکن آج اسپین میں مسلمان بہت کم نظر آتے ہیں، اس کے باوجود بھی اسپین کی معاشرت اور تہذیب پر آج بھی اسلام کے اثرات زیادہ ہیں، 1492ء میں جب غرناطہ جو مسلمانوں کا آخری قلعہ تھا، اس کی شکست ہوئی تب ہی سے وہاں کے مسلمان دھیرے دھیرے ختم ہونا شروع ہوئے، اور 1612ء تک جبکہ اسپین سے مسلمانوں کے آخری قافلے نے ہجرت کی مسلمانوں کا زوال مکمل ہوچکا تھا، اس سلسلے میں قابل ذکر نکتہ یہ ہے کہ جس وقت اسپین سے مسلمانوں کا اخراج ہورہا تھا اس وقت تمام متمدن دنیا مسلمانوں کے زیر اقتدار آچکیں تھیں، ایران میں صفوی حکمراں کا دور دورہ تھا، عثمانی ترکوں نے 1553ء میں قسطنطنیہ پر فتح حاصل کی اور اس پورے علاقہ میں ان کی حکمرانی قائم ہوگئی، مصر میں مملوکوں کی حکومت تھی، اور ہندوستان میں مغلوں کا اقتدار، اس کے باوجود بھی اسپین سے مسلمانوں کو ہجرت کرنی پڑی اور اتنی طاقتور مسلم حکومتوں نے وہاں کے مسلمانوں کے تحفظ کے لئے کوئی تدبیر نہیں کی۔

اس صدی کی تیسری اور چوتھی دہائی کے دوران اسپین سے مسلمانوں کے اخراج کا موضوع ہندوستان کے فرقہ پرست نازیوں کے گہرے مطالعہ کا مرکز رہا ہے، انہوں نے تاریخ کے اس دور کا مطالعہ اس غرض سے کیا کہ ہندوستان میں بھی اس عمل کو دہرایا جائے، لیکن موجودہ دور کے مسلمان اسپین میں مسلمانوں کے زوال کی تاریخ سے یکسر ناواقف معلوم ہوتے ہیں اور اسی لئے اپنے خلاف ہونے والی سازشوں سے بھی بے خبر ہیں۔

ہندوستان کی طرح اسپین میں بھی مسلمانوں کے تین طبقے ہیں (1) عربی النسل مسلمانوں کی نسل (2) ان مسلمانوں کی نسلیں جن کے باپ عربی اور مائیں اسپینی تھیں (3) وہ لوگ جنہوں نے عیسائی مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کرلیا تھا۔

غرناطہ کی شکست کے فوراً بعد عربی النسل مسلمانوں کی بڑی تعداد نے اپنی جان بچانے کے لئے تیونس یا مراقش کی طرف ہجرت کی، جن میں سے بہت سارے عیسائیوں کے حملے کا شکار ہوگئے، اور جو عربی النسل اسپین میں رہ گئے ان پر غیر ملکی اور ''اسپین تباہ کرنے والے'' کے الزامات عائد کئے گئے (جیسا کہ ان دنوں ہندوستان میں کیا جارہا ہے) دوسرے اور تیسرے طبقہ کے مسلمان یعنی ایک تو وہ جن کے آباء واجداد عرب اور مائیں اسپینی تھیں، اور دوسرے جو عیسائی مذہب ترک کرکے مسلمان ہوئے تھے، اسپین کے بادشاہ فرینڈ کی اس یقین دہانی پر کہ ان لوگوں کو مکمل آزادی دی جائے گی، اسپین ہی میں رہ گئے اور عیسائیوں کے تشدد کے شکار ہوگئے، (ہندوستان میں بھی ہمیں بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو مکمل آزادی اور حقوق حاصل ہیں) شروع کے برسوں میں اسپین کے ان مسلمانوں کی جان ومال پر ہونے والے عیسائی حملے کو یہ کہہ کر معاف کردیا جاتا رہا کہ یہ تشدد صرف عارضی چیز ہے کیا یہ صورت حال بالکل ویسی نہیں ہے جیسی کہ 1947ء کے بعد مسلمانوں کو درپیش رہی ہے، اسپین میں مسلمانوں پر 50 برسوں تک رک رک کر حملے جاری رہے، جیسا کہ آج ہندوستان میں ہورہا ہے۔

جس وقت اسپین میں منظّم عیسائی گروہ مسلمانوں کی نسل کشی میں لگے ہوئے تھے، فرینڈ کی حکومت نے ملازمتوں سے مسلمانوں کو باہر نکالنے کی پالیسی شروع کی اور حسب ذیل اقدامات کئے:

☆ انتظامیہ میں عربی کا استعمال ختم کردیا گیا، مسجدوں سے لگے ہوئے مدرسوں میں سائنس، تاریخ، ریاضی اور فلسفہ کی تعلیم دینے پر پابندی لگادی گئی، تاریخ کو اس طرح مسخ کیا گیا جس سے مسلم دور کی حکومتوں کو غیر مہذب کہا جاسکے اور اسپین کی ترقی میں مسلمانوں کی کوششوں کو جھٹلایا جاسکے، مسلمانوں کے گھروں کو ہتھیار جمع کرنے یا خفیہ جلسے کرنے کے الزامات کے بہانے مسلسل تلاشیوں کا نشانہ بنایا گیا، عربی النسل مسلمانوں کو عیسائیوں کا دشمن اور اسپین کو تباہ کرنے والا قرار دیا گیا، ان لوگوں کو جو عیسائی مذہب چھوڑ کر مسلمان ہوئے تھے، یہ ترغیب دی گئی کہ ان کے آباء نے جبر کے تحت اسلام قبول کیا تھا اور چونکہ اب کوئی جبر نہیں ہے، اس لیے وہ دوبارہ عیسائی بن جائیں، جو مسلمان عیسائی اور مسلم والدین کی اولادوں میں سے تھے، ان کی پیدائش کو ناجائز کہہ کر ان کا مذاق اڑایا جاتا تھا اور انہیں عیسائی مذہب میں آنے کے لئے زور دیا جاتا تھا، اسلامی طریقے کے مطابق ہونے والی شادیوں کو عدالتوں میں رجسٹرڈ کرنے کا حکم جاری کیا گیا۔

اسلامی قانون کو ختم کردیا گیا، اگر آج آپ پوری دینداری سے غور کریں تو یہی عمل آج ہندوستان میں خوش اسلوبی اور بہتر کارکردگی کے ساتھ کئے جارہے ہیں۔

اسپین کے مسلمانوں کو طنز وتمسخر، قتل وغارت گری اور تباہی وبربادی کا نشانہ بنایا گیا، ان کے گھروں اور مال واسباب کو جلاکر خاک کردینے کے عمل کو فروغ دیا جانے لگا تاکہ ان کی اقتصادی حالت تباہ ہوجائے، مسلمانوں کے عیسائی ہونے کی جھوٹی خبروں پر خوب اشتہار اور زور وشور کے ساتھ پروپیگنڈہ کیا جاتا تھا۔

اسپین میں رہ جانے والی دو پشتوں نے تو اپنے مذہب کے تحفظ کے لئے انفعالی راستہ اپنایا انہوں نے اپنے بچوں کو گھروں اور مدرسوں میں عربی تعلیم دی اور انہیں ان کے ماضی سے واقف کرایا، لیکن دھیرے دھیرے ان کا جوش کم ہوتا گیا اور لوگ اسلامی ماحول سے دور ہوتے گئے اور جب یہ حکم عائد ہوا کہ شادیاں صرف سرکاری اداروں کے ذریعہ ہی کی جاسکیں گی، تو شروع میں تو مسلمانوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ پہلے سرکاری ادارے میں شادی رجسٹرڈ کرواتے تھے اور گھر میں خفیہ طور پر نکاح کی رسم کرتے تھے ،لیکن ماحول کے اثرات سے متاثر ہوکر یہ خفیہ نکاح کی رسم بھی ختم ہوگئی اور اس پر پابندی لگادی گئی۔

اس دوران مسلمان دھیرے دھیرے قیادت کے اثرات سے آزاد ہوتے چلے گئے اور مسلمانوں نے ترکی، تیونس، مراقش اور مصر وغیرہ کی طرف ہجرت شروع کردی غریب مسلمان بے یار ومددگار رہ گئے، بالکل یہی صورت حال آج ہندوستان میں بھی پائی جاتی ہے، انگریزی داں اور پیسے والے مسلمان یہاں غیروں کے طور وطریقے استعمال کررہے ہیں، اور مذہب سے دور کافروں کے ماحول میں جی رہے ہیں، اس وجہ سے انہیں کی طرز زندگی سے زیادہ متاثر ہورہے ہیں، سولہویں صدی سے پہلے مسلمان 50 برسوں کے دوران اسپین میں جو بیج بوئے گئے تھے بعد کے 50 برسوں میں ان کے نتائج ظاہر ہوئے، اس وقت مسلمانوں کے پاس کوئی قیادت نہیں تھی، تنظیم نہیں تھی جو ان کے تحفظ کا کام کرسکے، اور نہ ہی بیدار مغز شخصیتیں تھیں، جو ان حالات پر قابو پاسکتیں، مذہبی قیادت کو اسلامی علوم کے علاوہ کسی اور علم سے واقفیت نہیں تھی، حالات پر قابو پانے کی انہوں نے کوشش تو ضرور کی لیکن حکومت کی طرف سے ہونے والے پروپیگنڈے، مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لئے دیئے جانے والے لالچ اور مسلم عوام سے ناواقفیت اور اس کے سبب ان کے اندر پیدا ہونے والی احساس کمتری کا مقابلہ کرنا ان علماء کے بس میں نہیں تھا، اس کا مقابلہ کرنے کے لئے سیاسی تنظیم کی ضرورت تھی، جو دفاعی چیزوں اور دوسرے وسائل سے لیس ہوتی لیکن وہاں کچھ بھی نہیں تھا، جو مسلمان دوسری حکومتوں سے مدد مانگنے کی کوشش کرتے تھے ان سے مسلمانوں میں خوف پیدا ہوتا تھا اور خود مسلمانوں کے ذریعہ ان کی خبر غیر مسلموں کو دی جاتی تھی، اور ان پر سرکاری عتاب نازل ہوتا تھا، مقامی طور پر خطرات کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہونے کے سبب ترکی یا مصر کی حکومتیں بھی کوئی مدد کرنے سے قاصر تھیں، ترکی اور مصر میں ہجرت کرکے پہنچنے والے اسپینی مسلمانوں نے بھی ان حکومتوں کو مشورہ دیا کہ وہ اسپین کے معاملات میں مداخلت نہ کریں، کیوں کہ اس کے سبب وہاں کے مسلمانوں پر مظالم اور زیادہ بڑھ جائیں گے، دھیرے دھیرے مسلمان اسپین کے قومی دھارے میں شامل ہوگئے، اور علماء وغیرہ بھی اپنے لئے کوئی جگہ نہ دیکھتے ہوئے ہجرت کرگئے اسی لئے 1612ء میں اسپین سے سخت جاں مسلمانوں کا آخری قافلہ گیا اس میں صرف علماء ہی تھے۔

ہندوستان میں اسپین کی تاریخ کو زیادہ قوت اور بہتر طریقہ سے دہرانے کی کوشش کی جارہی ہے، اردو سے محبت ختم کرائی جارہی ہے، مسلمانوں میں جو لوگ سختی سے مذہب پر عمل پیرا ہیں انہیں بنیاد پرست اور کٹرپنتھی کہہ کر خود مسلمان طبقہ کو ان سے دور کیا جارہا ہے، اور نئے نئے قانون بناکر مسلمانوں کی شریعت پر Indirectly حملہ کیا جارہا ہے، لیکن مسلمان ہیں کہ اسپینی مسلمانوں کی طرح محوخواب ہیں، مسلمانوں کے قتل عام کو خود مسلم قیادت نے بھی ایک جیسے فطری عمل سمجھ لیا ہے، اس معاملہ کو جب بھی کسی بین الاقوامی سطح پر اٹھایا جاتا ہے تو اسے ہندوستان کے داخلی معاملات میں مداخلت سے تعبیر کیا جاتا ہے، نصاب کی کتابوں سے مسلم تاریخ کو نکال دیا گیا ہے، بابر، محمد بن قاسم، محمود غزنوی اور اورنگزیب جیسے عظیم الشان فاتحین کو تختہ مشق بنایا جارہا ہے، ہندوستان کی آزادی میں مسلمانوں کی قربانیوں کو سرے سے نظرانداز کردیا گیا۔ نصاب کی کتابوں سے مسلم مجاہدین آزادی کی سرفروشانہ قربانیوں پر پردہ ڈالا جارہا ہے، درسی کتب سے ایسے محبّ وطن کے کارناموں کو نکالا جارہا ہے، جب کہ اسپین میں عیسائی مورخین مسلمانوں کی خدمات کو مٹا رہے ہیں اور جب سے مرکز میں بی جے پی برسراقتدار میں آئی وہ مکمل طور پر ہندوتوا کو فروغ دینے اور ملک کے جمہوری اقدار کو ختم کرنے کی پوری کوشش کررہی ہے۔ ان حالات میں ملک کے امن پسند شہریوں کی ذمہ داری ہے کہ ملک کی گنگا جمنی تہذیب کو بچانے اور مذہبی اقدار کو قوت بخشنے کی جدوجہد کریں، تاکہ ہم کہہ سکیں کہ ؎

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

هفتۂ رفتہ

محمد اظهار

فوج اپنا گھر درست کرے: سپریم کورٹ

سپریم کورٹ نے فوج کو نصیحت کی ہے کہ وہ اپنا گھر درست کرے اور اسے لگتا ہے کہ یہ ان خواتین افسران کے لئے غیر جانبدار نہیں رہی ہے جنہوں نے سال 2020 میں عدالت عظمیٰ کے حکم پر مستقل کمیشن دیئے جانے کے بعد پرموشن میں تاخیر کا الزام لگایا ہے۔ چیف جسٹس ڈی وائی چندر وڑ اور جسٹس پی ایس نرسمہا کی بنچ 34 خاتون فوجی افسران کی عرضی پر سماعت کر رہی تھی۔ عرضی میں الزام لگایا ہے کہ فوج میں لڑاکو اور کمانڈنگ کردار نبھانے کے پاس پرموشن کے لئے جونیئر مرد افسران پر غور کیا جا رہا ہے۔(ایجنسی)

غیر مسلم بچوں کو داخلہ دینے والے مدرسوں کی جانچ کا حکم

قومی کمیشن برائے تحفظ اطفال نے ملک کی تمام ریاستوں اور مرکزی حکومت کے زیر انتظام ریاستوں کو نوٹس جاری کر کے غیر مسلم بچوں کو داخلہ دینے والے مدرسوں کی تفصیلی جانچ کا حکم دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی سبھی ریاستوں کے چیف سکریٹریز کو تمام مدارس کی میپنگ کی بھی ہدایتیں دی گئی ہیں۔ کمیشن کی چیئر پرسن پریانک قانونگو نے سبھی چیف سکریٹریز کو لکھے گئے خط میں کہا ہے کہ غیر مسلم طبقہ کے بچے حکومت کے ذریعہ مالی امداد یافتہ اور منظور شدہ مدارس میں داخلہ لے رہے ہیں اور درس و تدریس کے عمل میں شامل ہو رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ کمیشن کو یہ بھی پتہ چلا ہے کہ ایسے بچوں کو کچھ ریاست اور مرکز کے زیر انتظام ریاستیں وظیفہ بھی دے رہی ہیں۔ خط میں یہ بھی کہا گیا کہ یہ واضح طور پر آئین کی دفعہ 38(3) کے خلاف ہونے کے ساتھ ہی اس کی خلاف ورزی بھی ہے جو تعلیمی اداروں کو بغیر والدین کی اجازت کے کسی مذہبی تعلیم میں حصہ لینے کے لئے بچوں کو مجبور کرنے سے منع کرتا ہے۔ کمیشن نے کہا کہ ادارہ کی شکل میں مدرسے خاص طور سے بچوں کو مذہبی تعلیم دینے کے لئے ذمہ دار ہیں۔ کمیشن نے کہا کہ پتہ چلا ہے کہ جو مدرسے حکومت کے ذریعہ مالی امداد پاتے ہیں یا منظور شدہ ہیں وہ بچوں کو مذہبی اور کچھ حد تک عصری تعلیم یعنی دونوں طرح کی تعلیم دے رہے ہیں۔(ایجنسی)

حکومت کیخلاف کاشتکار تحریک پھر شروع

کسان مخالف پالیسیوں اور ایم ایس پی و قرض معافی کو لے کر کسانوں نے ایک بار پھر تحریک شروع کر دی ہے۔ راجدھانی دہلی کے ٹیکری بارڈر پر 10 دسمبر کو نہ صرف کسانوں نے اپنی تحریک کا از سر نو آغاز کر دیا ہے، بلکہ ایم ایس پی نافذ کرنے اور مکمل قرض معافی کا مطالبہ کرتے ہوئے 'چنڈی گڑھ کوچ' کا اعلان بھی کر دیا ہے۔ دراصل کسانوں نے ہریانہ اسمبلی کے بجٹ اجلاس کو دیکھتے ہوئے چنڈی گڑھ پہنچنے کا اعلان کیا ہے۔ گویا کہ بجٹ اجلاس کے دوران کسان تحریک ہریانہ کی کھٹر حکومت کے لیے مشکلات کھڑی کر سکتی ہے۔(ایجنسی)

جموں وکشمیر کے 20 لیڈروں کی سیکورٹی واپس لے لی گئی

جموں وکشمیر کے تقریباً 20 سیاستدانوں کی سیکورٹی واپس لے لی گئی ہے، یہ حکم 10 دسمبر کو جاری کیا گیا، بتایا جاتا ہے کہ بعض سیاست دانوں کی سیکورٹی میں کمی کی گئی ہے، سیاستدانوں کو فراہم کئے جانے والے سیکورٹی اہلکاروں کے علاوہ ان کی حفاظتی سہولتیں بھی واپس لے لی گئی ہیں، ان میں سے زیادہ تر لیڈر سابق ارکان اسمبلی ہیں، جب کہ ایک سابق رکن پارلیمنٹ ہیں، ان کے علاوہ سابق وزیر اعلیٰ فاروق عبداللہ کے داماد محمد عاصم خان کی سیکورٹی بھی ہٹا دی گئی ہے، جن افراد کی سیکورٹی واپس لی گئی ہے ان میں نیشنل کانفرنس اور پی ڈی پی کے لیڈران شامل ہیں، ذرائع کے مطابق ان لیڈروں کو جموں وکشمیر پولیس، سی آر پی ایف اور ایس ایس بی کی سیکورٹی کافی عرصے سے حاصل تھی۔

طب وصحت

ہارٹ اٹیک: اسباب و تدارک

ڈاکٹر کامران غنی صبا

حالیہ چند برسوں میں ہارٹ اٹیک سے ہونے والی اموات میں تشویشناک حد تک اضافہ ہوا ہے۔ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کے مطابق پوری دنیا میں ہر سال 17.3 ملین لوگ ہارٹ اٹیک کا شکار ہو رہے ہیں۔ رواں ماہ (دسمبر 2022) کے پہلے ہفتہ میں "ہارٹ اٹیک" ٹیوٹر پر ٹرینڈ کر رہا تھا۔ دنیا بھر کے ماہرین طب اور ماہرین نفسیات ہارٹ اٹیک کے تعلق سے تشویش کا اظہار کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر سبرت اکھوری (کارڈیالوجسٹ انڈین انسٹی ٹیوٹ آف میڈکل سائنسز، فرید آباد) اپنے ایک کالم میں لکھتے ہیں کہ اگلے پانچ سے دس سال میں ہندوستان کے 20 فیصد لوگ ہارٹ اٹیک سے متاثر ہوں گے۔ ایک آر ٹی آئی سے جمع کی گئی معلومات کے مطابق ممبئ میں گزشتہ سال جنوری سے جون کے درمیان کورونا سے زیادہ اموات ہارٹ اٹیک کی وجہ سے ہوئیں۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ مذکورہ مدت میں کورونا سے 10 ہزار 289 اموات ہوئیں جبکہ اسی مدت میں ہارٹ اٹیک سے مرنے والوں کی تعداد 17 ہزار 880 تھی۔ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کے مطابق 2019 میں دنیا بھر میں 1.79 کروڑ اموات دل سے جڑی بیماریوں سے ہوئی تھیں۔

ہارٹ اٹیک کے اثرات نوجوانوں یہاں تک کہ طالب علموں اور کم عمر نوجوانوں میں دیکھے جا رہے ہیں۔ حالیہ کچھ دنوں میں کئی ایسے واقعات مشاہدے میں آئے ہیں کہ کوئی گلوکار اسٹیج پر فارمنس کے دوران اچانک گرا اور اس کی روح پرواز کر گئی، کوئی طالب علم اسکول جاتے ہوئے اچانک لڑکھڑایا اور چشم زدن میں اس کی جان چلی گئی۔ ہم میں سے کئی لوگ ایسی اموات کے شاہد ہیں جو انتہائی غیر متوقع تھیں۔

یہ واقعات ہمیں خوف زدہ کرتے ہیں۔ دنیا بھر کے ڈاکٹرز اور ماہرین نفسیات ہارٹ اٹیک کی وجوہ اور اس کے خدشات کو کم کرنے کی تدابیر پر نہ صرف غور وفکر کر رہے ہیں بلکہ مشورے بھی دے رہے ہیں۔ ہارٹ اٹیک بعض اہم وجوہ درج ذیل ہیں:

نشہ آور چیزوں کا استعمال، غیر متوازن غذا، نیند کی کمی، سستی، ذہنی تناؤ، بلڈ پریشر وغیرہ

ماہرین کے مطابق نشہ آور چیزوں سے گریز کرنے، متوازن غذا لینے، وقت پر سونے اور اٹھنے، متحرک رہنے، ذہنی تناؤ سے بچنے اور اصول حفظان صحت پر عمل کرنے سے ہارٹ اٹیک کے خدشات کو کم کیا جا سکتا ہے۔

ہارٹ اٹیک کے اسباب اور اس سے محفوظ رہنے کے طریقہ کار کا معروضی مطالعہ ضرور ہونا چاہیے لیکن کچھ پہلو ایسے بھی ہیں جو معروضیت سے پرے ہمیں غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں۔

ماہرین صحت اس بات پر متفق ہیں کہ ہارٹ اٹیک کی سب سے بڑی وجہ ذہنی تناؤ ہے۔ اس کا سیدھا سا مطلب یہی ہے کہ دنیا میں جس تیزی سے ہارٹ اٹیک کے واقعات بڑھ رہے ہیں، اتنی ہی تیزی سے انسانی ذہن تناؤ کا شکار ہو رہا ہے۔ ماہرین صحت اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود ذہنی تناؤ کم کرنے میں ناکام ہو رہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آج کے انسان کے پاس وسائل کی فراوانی ہے۔ ہم میں سے بیشتر لوگوں کی طرز رہائش پہلے سے زیادہ اچھی ہوئی ہے۔ ہم پہلے کے مقابلے زیادہ اچھا کھانا کھاتے ہیں۔ رابطے آسان ہوئے ہیں۔ آج ہم میں سے بیشتر لوگوں کے پاس اچھے موبائل فون ہیں۔ گھر ہے، گاڑیاں ہیں، تفریح کے مختلف ذرائع ہیں لیکن ان سب کے باوجود ہم میں سے اکثر لوگ کسی نہ کسی طور پر ذہنی تناؤ کا شکار ہیں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

اس سوال کا جواب ماہرین صحت کے پاس ملنا شاید مشکل ہے۔ شاید ہر سوال کا جواب سائنسی اصولوں کے مطابق بھی نہیں مل سکتا۔ اگر معروضیت سے پرے کچھ فطری اور روحانی اصولوں کو ہم سمجھ سکیں تو ممکن ہے کہ جواب تک ہماری رسائی ہو جائے۔ ماں سے بہت دور کوئی بچہ کسی خاص ساعت میں حادثہ کا شکار ہوتا ہے، ماں کو کسی مادی ذرائع سے حادثے کی اطلاع نہیں ملتی ہے لیکن اس کے باوجود جس وقت اس کا لخت جگر حادثے کا شکار ہوتا ہے، ماں کا دل تیز تیز دھڑکنے لگتا ہے۔ اب اس واقعہ کی کوئی معروضی وجہ نہیں بتائی جا سکتی۔

ذہنی تناؤ کو کم کرنے کی فی زمانہ جتنی کوششیں ہو رہی ہیں وہ سب معروضی ہیں۔ مثلاً صبح چہل قدمی کی جائے، ورزش کی جائے، موبائل فون کا استعمال کم کیا جائے، مکمل نیند لی جائے، غذا متوازن ہو، وقت پر ہو وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہ ساری تدابیر بھی اکثر دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔

ذہنی تناؤ کو کم کرنے اور زندگی کو پرسکون بنانے کے مختلف طریقے بہت ممکن ہے کہ کچھ لوگوں کے لیے مفید اور کارآمد ہوں لیکن فطرت سے قریب ہوئے بغیر نہ تو ہم ذہنی تناؤ کو کم کر سکتے ہیں اور نہ ہی اپنی زندگی کو پرسکون بنا سکتے ہیں۔ فطرت سے قربت کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ ہم وادیوں، جھرنوں، ندیوں اور سمندروں کا نظارہ کرنے لگ جائیں۔ جب انسان کا ذہن اذیت میں ہوتا ہے تو اسے خوشگوار نظارے بھی بے لطف اور بے نور نظر آنے لگتے ہیں۔ فطرت سے قربت کا مطلب یہ بھی ہے کہ ہم زندگی کو اس کے اصل روپ میں قبول کریں۔ زندگی کا اصل روپ صرف خوشی نہیں ہے، غم بھی ہے۔ صرف خواب نہیں ہے، شکستِ خواب بھی ہے۔ زندگی صرف حاصل کا نام نہیں ہے، زندگی میں سعئ لاحاصل بھی ہے۔ زندگی صرف تبسم سے مکمل نہیں ہوتی، اسے نالہ نیم شب بھی چاہیے۔

آج کا انسان صرف خوش رہنا چاہتا ہے۔ وہ خوشی کا تعاقب کرتا ہے۔ جب اسے اپنے آس پاس بلکہ اپنے اندرون میں خوشی نہیں ملتی تو وہ پارکوں، ہوٹلوں، بار اور نائٹ کلبوں کا رُخ کرتا ہے۔ اُسے وقتی طور پر خوشی مل بھی جاتی ہے لیکن واپس جب وہ اپنے اصل ماحول میں آتا ہے تو اسے وحشت سی محسوس ہوتی ہے، یہی وحشت اس کے ذہنی تناؤ کا سبب بنتی ہے۔

آج کا انسان حقیقی مسرتوں سے محروم ہے۔ وہ اپنے رشتہ داروں کو نہیں پہچانتا، پہچانتا ہے تو بس اِس طور پر کہ ان سے گلے اور شکووں کا رشتہ ہے۔ اس نے اپنی مصروفیت کو کم کرنے کے لیے مشینیں خرید رکھی ہیں، لیکن اس کی مصروفیات اور بھی بڑھ چکی ہیں۔ اس کے پاس اپنے بیوی بال بچوں کے لیے وقت نہیں ہے۔ دوستوں اور رشتہ داروں کے لیے وقت نہیں ہے بلکہ سچ پوچھیے تو اپنے لیے وقت نہیں ہے۔ وقت کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے کی تمنا میں وہ اپنی اوقات بھول چکا ہے لیکن جیسے ہی اسے اپنی اوقات یاد آتی ہے، وہ ذہنی تناؤ کا شکار ہونے لگتا ہے۔

آج کا انسان قناعت کی دولت سے محروم ہے۔ وہ دنیا میں جنت کے مزے لینا چاہتا ہے۔ وہ اپنے ماضی کو یاد کر کے حال کا شکر ادا نہیں کرتا، دوسروں کے حال کو دیکھ کر اپنے حال کی ناشکری کرتا ہے۔ یہ ناشکری اسے ذہنی طور پر منتشر کر دیتی ہے۔

ذہنی تناؤ سے بچنے کی تمام سائنسی اور طبی تدابیر اپنی جگہ اہم ہو سکتی ہیں لیکن سچ یہی ہے کہ خالق کے قرب کے بغیر ذہنی سکون کے حصول کی سبھی کاوشیں سعئ لاحاصل ہیں۔ خالق کا قرب ہمیں اندیشہ سود و زیاں سے بے نیاز کرتا ہے۔ نمائش اور تصنع کو زندگی سے نکال دیا جائے تو زندگی پرسکون ہو سکتی ہے لیکن ہم انہیں نکالنے پر آمادہ ہی نہیں ہیں یہاں تک کہ نمائش اور تصنع سے ہمارا رشتہ منقطع تو ہوتا ہے لیکن تب تک کافی دیر ہو چکی ہوتی ہے۔

اپنے سے چھوٹے لوگوں میں وقت گزارنے سے سکون ملتا ہے۔ کسی کا سکون غارت نہ کیا جائے تو سکون مل سکتا ہے۔ سکون حاصل کرنے کی تمنا چھوڑ دی جائے تو سکون ملنے کے امکانات پیدا ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ سارے نکات معروضی نہیں ہیں اور ہم اتنے ترقی یافتہ ہو چکے ہیں کہ معروضیت کی عینک اتارے بغیر مطالعۂ کائنات ہمارے لیے مشکل ہے۔ اس مشکل کا حل تلاش کر لیا جائے تو ہارٹ اٹیک کے امکانات کو کم کیا جا سکتا ہے۔

Volume:62/72,Issue:48 R.N.I.N. Delhi Regd. No.BIHURD/4136/61Printed & Published by Sohail Ahmad Nadwi, on behalf of Imarat Shariah Phulwari Sharif, Patna, Printed at Azimabad Printers, R.C.F./105, Ground Floor, B.H. Colony, Bhootnath Road, Kankarbagh, Patna-800026 and Published from Naqeeb Office Imarat Shariah, Phulwari Sharif, Patna-801505, Editior: (Mufti) Mohammad Sanaul Hoda (Quasmi)

LEADING URDU JOURNAL OF IMARAT SHARIAH
BIHAR ODISHA & JHARKHAND

NAQUEEB WEEKLY

PHULWARI SHARIF,PATNA 801505

SSPOS PATNA Regd.No.PT 14-6-21-23
R.N.I.N.Delhi,Regd No-BIHURD/4136/61

رات تو وقت کی پابند ہے ڈھل جائے گی
دیکھنا یہ ہے چراغوں کا سفر کتنا ہے
(وسیم بریلوی)

ملک میں بڑھتی منافرت اور اشتعال انگیزی

ڈاکٹر سید احمد قادری

ملک میں بڑھتی منافرت اور اشتعال انگیزی سے ملک کا بڑا طبقہ بہت پریشان ہے کہ ایسی نفرت، تشدد اور اشتعال انگیزی کے باعث جہاں دنیا بھر میں ملک کا امیج خراب ہو رہا ہے وہیں دوسری جانب ملک کی سالمیت کو بڑا نقصان ہونے کا اندیشہ ہے۔ گزشتہ چند برسوں میں ایسے نہ جانے کتنے نفرت اور اشتعال انگیز تقاریر اور بیانات پولیس اور انتظامیہ کی موجودگی میں رکن پارلیامنٹ ساکشی مہاراج، پرگیا ٹھاکر، پرویش ورما، انوراگ ٹھاکر، گری راج سنگھ، اسمبلی رکن نند کشور گوجر، سنگت سوم، سابق وزیر نرنجن جیوتی، سوامی رتن دیو مشرا، سریش چوانکے وغیرہ نے دئے ہیں جو فرقہ وارانہ تشدد کے سبب بنے ہیں۔ نیشنل کرائم ریکارڈ (NCRB) کی ایک رپورٹ کے مطابق 2014ء میں جہاں نفرت اور اشتعال تقاریر کے 323 کیس سامنے آئے تھے، وہیں 2020ء میں یہ تعداد بڑھ کر 1804ء تک پہنچ گئی ہے۔ ماہ نومبر میں سپریم کورٹ میں ایک عرضی پیش کی گئی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ 2014ء کے بعد نفرت انگیز تقاریر میں تقریباً پانچ سو فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔

اب جب کہ دہلی فساد کا سامنے آگیا ہے۔ اس وقت دلّی ہائی کورٹ کے جسٹس مرلی دھر کے کورٹ میں گجرات کیڈر کے سابق آئی اے ایس افسر ہرش مندر جو مسلسل فرقہ پرستی کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں، ایک آئی پی ایل داخل کرتے ہوئے مطالبہ کیا تھا کہ مرکزی وزیر انوراگ ٹھاکر اور دہلی بی جے پی کے لیڈر کپل مشرا کے نفرت اور اشتعال انگیز تقاریر اور بیانات کے بعد ہی دہلی میں فساد بھڑکا اور دہلی پولیس جو مرکزی وزارت داخلہ کے ماتحت ہے اس نے فسادیوں کا نہ صرف ساتھ دیا بلکہ براہ راست خود فساد میں حصہ لیا۔ یاد ہوگا کہ اس پی آئی ایل کی سنوائی کے بعد جسٹس مرلی دھر نے اشتعال انگیز تقاریر کا ویڈیو دیکھنے کے بعد ان ملزمین کے خلاف سخت کارروائی کرتے ہوئے ان دونوں کو چوبیس گھنٹے کے درمیان گرفتار کرنے کا حکم صادر کیا تھا۔ یہ ملزمین تو گرفتار نہیں ہوئے بلکہ چند گھنٹوں اندر ہی جسٹس مرلی دھر کا تبادلہ کر دیا گیا۔ افسوس کہ ایسے لوگوں پر حکومت کی سرپرستی کے باعث ہی ان کے حوصلے بڑھتے رہتے ہیں کہ تم مسلمانوں کے خلاف اشتعال پھیلاؤ، منافرت بڑھاؤ، انھیں گالیاں دو۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں ایسے نفرت اور اشتعال انگیز تقاریر اور بیانات پر وزیر اعظم یا وزیر داخلہ کے صرف ایک مذمّتی بیان کے بعد کسی کی اتنی جرأت نہیں ہوتی کہ پھر وہ اپنی زبان پر ایسی نا قابل برداشت اور صبر و تحمل کا امتحان لینے والی بات لاتا۔ ان لوگوں نے اپنی نفرت اور اشتعال انگیز تقاریر اور بیانات میں ایسی ایسی نازیبا اور بے ہودہ باتیں کی ہیں جن کے دہرائے جانے پر زبان گنگ ہو جاتی ہے اور قلم آگے نہیں بڑھتا ہے۔ کسی بھی مہذب ملک اور سماج میں ایسی زبان کا استعمال نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس وجہ کر میں ان باتوں کو یہاں پر دہرانے سے احتراز کر رہا ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسی نازیبا اور منافرت بھری باتوں اور دھمکیوں پر قومی ہی نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح پر مسلسل مذمّت کی جاتی رہی ہے اور کی جا رہی ہے۔ لیکن افسوس کہ ان مذمّت، تنقید، اعتراض، احتجاج کا ان پر کوئی اثر ہوتا دکھتا نہیں ہے۔ ملک کے مسلمانوں کے خلاف کھلم کھلاّ نفرت اور اشتعال انگیز تقاریر اور بیانات کے خلاف شاہین عبداللہ کی سپریم کورٹ میں دی گئی عرضی پر چند روز قبل ہی سماعت کرتے ہوئے جسٹس کے ایم جوزف اور جسٹس رشی کیش رائے کی بنچ نے اپنی برہمی کا اظہار کرتے ہوئے ملزمین کے خلاف فوری طور پر سخت کارروائی کا حکم دیا ہے نیز اتر پردیش، دہلی اور اتراکھنڈ پولیس اور انتظامیہ سے اس سلسلے میں کی گئی کارروائی کی رپورٹ طلب کی ہے اور یہ بھی کہا کہ ایسے حسّاس معاملے میں پولیس ملزمین کے خلاف تادیبی کارروائی کرنے کے لئے کسی شکایت کا انتظار نہ کرے بلکہ از خود نوٹس لیتے ہوئے بلا تاخیر سختی سے عمل کرے۔ ان تینوں ریاستوں کی پولیس کو یہ بھی متنبہ کیا ہے کہ اگر ہماری ہدایات کے مطابق عمل نہیں کیا گیا تو اسے توہین عدالت سمجھا جائے گا۔ بنچ نے عدالتی ذمّہ داریوں اور فرائض کے سلسلے میں اس بات کا بھی اظہار کیا کہ ہم محسوس کرتے ہیں کہ عدالت پر بنیادی حقوق کی حفاظت اور آئینی اقدار بالخصوص قانون کی حکمرانی اور ملک کے سیکولر جمہوری کردار کے تحفظ کا فرض عائد کیا گیا ہے۔ جسٹس کے ایم جوزف نے ملک کے ایسے بدترین حالات پر افسردگی کے ساتھ یہ بات بھی کہی کہ 'ہم کہاں پہنچ گئے ہیں؟ ہم نے مذہب کو کس حد تک گھٹا دیا ہے، یہ افسوسناک ہے اور ہم سائنسی مزاج کی بات کرتے ہیں''۔ اس بنچ نے نفرت پھیلانے والے میڈیا کی بھی خبر لیتے ہوئے ایسے چینلوں کو سخت الفاظ میں متنبہ کرنے کے ساتھ ساتھ انھیں اپنی ذمّہ داریوں کو سمجھنے کی ہدایت دیتے ہوئے ایسے منافرت اور اشتعال بڑھانے والے میڈیا کے خلاف تادیبی کارروائی نہیں کئے جانے پر بھی افسوس ظاہر کیا ہے۔ سپریم کورٹ کے ایک سابق جسٹس روہنٹن نریمن نے بھی منافرت اور اشتعال انگیز بیانات اور تقاریر پر اپنی گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے ایک کانفرنس میں کہا ہے کہ 'بد قسمتی سے حکمراں جماعت کے اعلیٰ عہدوں پر موجود لوگ ایسی نفرت پھیلانے والی تقاریر پر نہ صرف خاموش ہیں بلکہ اس کی حمایت بھی کر رہے ہیں'۔ جینوسائڈ واچ نے بھی منافرت، نسل کشی کی دھمکی، دہشت اور انسانی حقوق کی بڑھتی پامالی پر اپنی خاص رپورٹ میں جن خدشات کا اظہار کیا ہے وہ حد درجہ ہولناک اور تشویشناک ہے۔ ابھی کچھ روز قبل ہی بھارت کے دورہ پر آئے ہوئے اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل انٹونیو گوٹیرس نے ممبئی میں آئی آئی ٹی کے ایک جلسہ میں کہا تھا کہ ملک میں اقلیتوں کا تحفظ ہندوستان کی ذمّہ داری ہے۔ انٹونیو گوٹیرس نے ہندوستان کے حکمراں کے حس کو جگانے کے لئے مزید کہا کہ دنیا میں مقبولیت اور شناخت ملک کے انسانی حقوق کے تحفظ سے ہی حاصل کی جا سکتی ہے اور حقوق کونسل کے ایک منتخب رکن کے طور پر ہندوستان کی ذمّہ داری ہے کہ وہ عالمی انسانی حقوق کی تشکیل کرے اور اقلیتی برادریوں سمیت تمام افراد کے حقوق کی حفاظت اور اس کے فروغ کے لئے کوشش کرے۔ تکثیریت کا ہندوستانی ماڈل ایک سادہ لیکن گہری سوچ و سمجھ پر مبنی ہے۔ ان تمام قومی اور بین الاقوامی سطح پر دئے جانے والے ایسے بیانات اور تاثرات پر حکومت نے کسی طرح کی نوٹس نہیں لی۔ اگر ایسا ہوتا تو ایسے بہت ہی حساس اور سنجیدہ معاملے میں حکمرانوں کی جانب سے ایک رسمی سا مذمتی بیان تو آ ہی سکتا تھا۔ ایسے ہی حالات کے پیش نظر علاّمہ اقبال نے کبھی کہا تھا:

پھول کی پتّی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر ☆☆☆ مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

افسوس اور تشویناک صورت حال یہ ہے کہ ملک کی سالمیت کو خطرے میں ڈالنے والی ایسی ناعاقبت اندیشی سے اپنے ملک کو کس قدر نقصان پہنچ رہا ہے اور پہنچنے کا اندیشہ ہے، یہ بات ان کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہی ہے۔ آج ملک کی یہ حالت ہے کہ ہر محاذ پر خواہ ملک میں تیزی سے گرتی معیشت ہو، بے روزگاری ہو، مہنگائی ہو، گلوبل ہنگر انڈیکس میں تو ہمارا ملک اس سال 121 ممالک میں 107 ویں مقام پر پہنچ گیا ہے جو افغانستان کو چھوڑ کر اپنے تمام پڑوسی ممالک کے مقابلے میں بدترین مقام پر آ گیا ہے۔ ڈالر کے مقابلے روز بروز روپئے کی قدر و قیمت گرتی ہی جا رہی ہے، دیگر میدان میں بھی اس ملک کا گراف بہت ہی شرمناک اور تشویشناک حد تک نیچے آ گیا ہے۔ ضرورت تو اس بات کی تھی برسر اقتدار حکومت ملک کے مختلف میدان کے ماہرین کی خدمات حاصل کر کے ان تمام مسئلوں کو ترجیہی بنیاد پر بہت سنجیدگی سے حل کرنے کی کوشش کرتی۔ لیکن افسوس کہ حکومت اقتدار پر قابض رہنے کے لئے ملک میں مذہبی منافرت، عدم رواداری، اشتعال انگیزی پھیلا رہی ہے اور سرپرستی بھی کر رہی ہے۔

یہ تلخ حقیقت ہے کہ اس وقت ملک میں جس طرح فرقہ وارانہ منافرت کا ماحول ہے۔ وہ کوئی حیرت انگیز نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ملک کی موجودہ حکومت کی سیاسی پارٹی، بھارتیہ جنتا پارٹی اور اس کی ہمنوا پارٹیاں جس طرح پورے ملک میں فرقہ وارانہ منافرت پھیلا کر برسر اقتدار آئی ہیں، اس سے انھیں بخوبی اندازہ ہے کہ ملک میں غریبی، بے روزگاری، نابرابری، مہنگائی، بے گناہوں پر ہونے والے جبر، ظلم و تشدد اور بربریت و استحصال کے خاتمے کے برخلاف ملک کے لوگوں کے اندر فرقہ وارانہ منافرت کا زہر پھیلانا زیادہ کارگر ہوتا ہے۔

یہی وجہ رہی کہ مسلم مکت بھارت بنانے کی شروعات کئے جانے کا پروگرام بنایا گیا تھا۔ یہ ایسی خبر تھی، جس کی ملک کے امن پسند اور سیکولر لوگوں نے شروعات میں اس لئے کوئی خاص نوٹس نہیں لی کہ جب سے مرکز میں آر ایس ایس کی سیاسی جماعت بھارتیہ جنتا پارٹی کی حکومت قائم ہوئی ہے۔ اس وقت سے نہ صرف ملک کے عام مسلمان، بلکہ دیگر مذاہب کے فرقہ واریت سے شدید نفرت کرنے والے لوگوں نے بھی کوئی توجہ نہیں دی کہ آر ایس ایس اور اس کی ہمنوا جماعتوں مثلاً بجرنگ دل، وشو ہندو پریشد، درگا واہنی، ہندوستانی یووا ہندو دل، رام سینا، رام چرتر سینا، ہندو ویراٹھ سینا، ہندو یووا جاگرن منچ، ہندو سینا، اکھنڈ بھارت سمیتی، ہندو جاگرن سمیتی وغیرہ جیسی فرقہ پرست اور انتہا پسند تنظیموں کے منافرت اور فرقہ واریت سے بھرے غیر اخلاقی، غیر آئینی، غیر جمہوری اور غیر انسانی تقاریر و بیانات، جو مسلسل پرنٹ میڈیا، الیکٹرانک میڈیا اور سوشل میڈیا میں آتے رہتے ہیں، ایسے بیانات کو عام طور پر ہذیان سے تعبیر کر کے نظر انداز کر دیتے تھے اور ایسا کرنا بھی چاہئے تھا کہ ایسے لغو، بے تکے، بے ہودہ اور غیر مہذب بیانات کا مقصد ملک کے اقلیتوں خاص طور پر ملک کے مسلمانوں کو مشتعل کر سیاسی فائدہ اٹھانا ہوتا ہے۔ جسٹس سچر نے انتقال سے کچھ ماہ قبل ملک کے مذہبی فرقہ واریت میں ڈوبے منظر نامہ کو دیکھتے ہوئے اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس وقت ملک کے مسلمان دہشت میں ہیں۔ پھر بھی ہم خواب خرگوش میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے اگر ایسے پراگندہ ماحول پر قدغن نہیں لگایا گیا تو بہت ممکن ہے کچھ مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کا نقصان ہو جائے لیکن سب سے زیادہ نا قابل یقین حد تک نقصان اس ملک کا ہوگا۔ اس لئے کیا ہی بہتر ہو کہ ایسی دانستہ کوشش کرنے والے لوگ ملک کی فکر کریں اور ملک کو جہنم بنانے سے گریز کریں۔ اسی میں سب کی بھلائی اور عافیت ہے۔

☆ اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے، فوراً آئندہ کے لیے سالانہ زر تعاون ارسال فرمائیں، اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں، مندرجہ ذیل اکاؤنٹ نمبر پر آپ سالانہ یا ششماہی زر تعاون اور بقایہ جات بھیج سکتے ہیں، رقم بھیج کر درج ذیل موبائل نمبر پر خبر کردیں۔ **رابطہ اور واٹس اَپ نمبر 9576507798**

A/C Name: THE NAQUEEB, A/C No: 10331726168,Bank: SBI, Branch J.C. Road, Patna, IFSC Code: SBIN0001233

نقیب کے شائقین نقیب کے آفیشیل ویب سائٹ **www.imaratshariah.com** پر بھی لاگ ان کر کے نقیب سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ (**محمد اسعد اللہ قاسمی منیجر نقیب**)

WEEK ENDING-19/12/2022, Fax : 0612-2555280, Phone:2555351,2555014,2555668, E-mail: naqueeb.imarat@gmail.com, Web. www.imaratshariah.com,

نقیب | قیمت فی شمارہ -/8 روپے | ششماہی -/250 روپے | سالانہ -/400 روپے